سلسلہ حقائق و معارف قرآنیہ نمبر ۴

قرآنی دعاؤں کے اسرار

مرتبہ

عرفانی الکبیر

مطبوعہ

رفیق مشین پریس حیدرآباد

تعداد (۵۰۰)

قیمت فی جلد ۳؍ سکہ کلدار

۱۲؍ سکہ عثمانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسو

عرض حال

اللہ تعالےٰ کا یہ انتہا کرم اور فضل ہے کہ اس نے پھر
قرآن کریم کی خدمت کا ایک اور موقعہ دیا۔
خدا تعالےٰ کی سچی معرفت اور کامل یقین دعاؤں کی قبو
پیدا ہوتا ہے جب کہ بندہ اپنے رب کو پکارتا ہے اور وہ ا
جواب دیتا ہے۔ دعا مومن کی زندگی کا ستون ہے۔ م
قرآن کریم اور قبولیت دعا کے ساتھ خاص تعلق ہے اس لی
خوشی ہے کہ یہ رسالہ قرآنی دعاؤں کے اسرار کے نام سے م
وقت پر شایع کر رہا ہوں اللہ تعالےٰ قبول فرمائے او
دے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاوے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم آمین

الہ دین بلڈنگ سکندرآباد
۳۰ جون ۱۹۴۴ء

عرفانی کبیر

سلسلہ حقائق و معارف قرآنیہ نمبر ۴

قرآنی دعاؤں کے اسرار

مرتبہ

عرفانی الکبیر

مطبوعہ
رفیق مشین پریس حیدرآباد

بار اول۔ تعداد (۵۰۰)

قیمت فی جلد ۳ سکہ کلدار
۴ ؍ ۱۲ سکہ عثمانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرضِ حال

اللہ تعالےٰ کا بے انتہا کرم اور فضل ہے کہ اُس نے پھر مجھے قرآن کریم کی خدمت کا ایک اور موقعہ دیا۔

خدا تعالےٰ کی سچی معرفت اور کامل تعین دعاؤں کی قبولیت سے پیدا ہوتا ہے جب کہ بندہ اپنے رب کو پکارتا ہے اور وہ اُس کا جواب دیتا ہے۔ دُعا مومن کی زندگی کا ستون ہے رمضان کو قرآن کریم اور قبولیت دُعا کے ساتھ خاص تعلق ہے اس لئے مجھے خوشی ہے کہ یہ رسالہ قرآنی دعاؤں کے اسرار کے نام سے موزوں وقت پر شایع کر رہا ہوں اللہ تعالےٰ قبول فرمائے اور توفیق دے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاوے۔

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم آمین

عرفانی کبیر

الہ دین بلڈنگ سکندرآباد
۳۰ جون ۱۹۴۳ء

ادارہ حقایق و معارف قرآنیہ

اے بے خبر بخدمت قرآن کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

قرآن کریم کے حقایق و معارف کی اشاعت کا ایک جوش اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے فضل سے دیا ہے اور اس سلسلہ میں قرآن کریم کے قریباً ۱۴ پاروں کا ترجمہ اور تفسیر شایع کرچکا ہوں اور بعض مخصوص مضامین پر تین مستقل رسالے (۱) الاسماء الحسنیٰ (۲) مقطعات قرآنی کی فلاسفی (۳) اسماء القرآن فی القرآن شایع کرچکا ہوں اس سلسلہ میں یہ چوتھا رسالہ قرآنی دعاؤں کے بارہ میں شایع کرنے کی توفیق پاتا ہوں الحمد للہ علیٰ ذالک

میں صرف ان بزرگوں اور عزیزوں سے خطاب کررہا ہوں جو قرآن مجید کے ساتھ عشق اور اسکے حقایق و معارف کی اشاعت کیلئے جوش رکھتے ہیں اور اس خدمت کو اپنے لئے ذریعہ سعادت و سرمایہ نجات یقین کرتے ہیں کہ وہ اس خصوص میں میرے ساتھ تعاون کریں اور اسکی یہ صورت ہے کہ اولاً اس سلسلہ کی ہر کتاب کی اشاعت پر کم از کم دو کاپیاں خرید کریں۔ ثانیاً دوسروں میں اُس کی اشاعت کے لئے تحریک کریں۔ ثالثاً جن بزرگوں کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور انھیں مال دیا ہے

وہ متعدد کاپیاں خرید کر غیر مسلموں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں اور پبلک لائبریریوں میں تقسیم کریں یہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا میں صرف پچاس ایسے دوستوں کو پکارتا ہوں جو ہر رسالہ کی صرف دس دس کاپیاں خرید لیا کریں۔ اس طرح پر یہ کام اللہ تعالے چاہے تو متواتر جاری رہ سکتا ہے میں اپنے دل میں ایک نیک مقصد کو لئے ہوئے ہوں اور جب تک اللہ تعالے چاہے اس کے لئے سعی کرتا رہوں گا۔

وباللہ التوفیق وھو نعم المولی ونعم الرفیق

بشارت

جو کتاب اب زیر تالیف ہے انشاء اللہ وہ اپنے مضمون اور اسلوب بیان کے لحاظ سے ایک بصیرت افروز تالیف ہوگی۔ میں اس کی تفاصیل ابھی بیان کرنے کے قابل نہیں ہوں لیکن جونہی پریس میں جانی شروع ہوئی انشاء اللہ اعلان کر دونگا۔ اللہ تعالے سے توفیق چاہتا ہوں۔

خاکسار عرفانی الکبیر

اطلاع:۔ جو دوست پہلے سے اس سلسلہ یا میری تالیفات کے خریدار ہیں انکی خدمت میں ہر طبع شدہ کتاب بذریعہ وی۔ پی بھیجدی جاتی ہے۔

الہ دین بلڈنگ سکندر آباد (دکن)　　　　عرفانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائی کلمہ

اللہ تعالےٰ نے مجھے تالیف و تصنیف کا ایک ذوق اور شوق محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے الحمد للہ علیٰ ذالک مجھے اپنی کم علمی اور امیت کا ہمیشہ سے ایک شعور رہا ہے مگر میں اس امر کا اظہار تحدیث بالنعمتہ کے طور پر کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اپنی غریب نوازی سے مجھے مختلف رنگوں میں قرآن کریم کی خدمت کا موقعہ دیا ہے اور یہ اس کی عطا ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے کون ہے؟ جو اس کے وسعت عطا کو روک سکے. تو الحمد للہ علیٰ ذالک.

میں ایک روز قرآن کریم کی دعاؤں پر غور کر رہا تھا جو ایک چھوٹے سے رسالہ میں جمع کی گئی ہیں معاً میرے دل میں یہ بات آئی کہ جب تک انسان ان دعاؤں کی حقیقت اور فلاسفی سے واقف نہ ہو اس کی دعا میں طوطے کی طرح رٹنے کے سوا اور کیا نتیجہ ہوگا؟ تب میں نے چاہا کہ اپنے بھائیوں کے لیے ان دعاؤں پر ایک مختصر سا رسالہ لکھ دوں اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں

جو ان دعاؤں میں موجود ہے میں لکھنے بیٹھا تو ایک بحر مواج میرے
سامنے آیا جس کو میں جذب نہ کر سکتا تھا تب میں نے اس پرند کی طرح
جو ایک سمندر کے کنارے اپنی چونچ میں ایک قطرہ لیکر سیراب
ہو جاتا ہے دعاؤں کے بحر معرفت سے چند قطرات کو جمع کر لیا۔
اور ان کو بطور اشارات اس رسالہ میں جمع کر دیتا ہوں۔ فہیم اور
سلیم دل اس بنیاد پر علم و معرفت کے شاندار قصر تیار کریں گے
اور وہ ایمانی ذوق کی چاشنی سے لطف اندوز ہو کر اپنی دعاؤں
میں کیفیت قبولیت پیدا کرنے کی سعی کریں گے۔ میں اس کے
پڑھنے اور فائدہ اٹھانے والوں سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ
میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالٰے خاتمہ بالخیر ایسے رنگ میں فرمائے
کہ میں اس کی منعم علیہ جماعت کا ایک فرد رہوں۔ قرآن مجید کی
دعاؤں پر کچھ لکھنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مسئلہ دعا پر بھی
چند باتیں عرض کروں مگر اس کے لیے میں نے پسند کیا کہ تبرکاً
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات میں سے ہی دعا
کے متعلق کچھ درج کر دوں اس لیے کہ اسی محسن کے ذریعے تو میں نے
اس نور کو حاصل کیا جو انسان کو ہر قسم کی تاریکیوں سے باہر نکالتا ہے
قرآن مجید کا علم اسی کی پاک مجلس میں سیکھا اور اس نے راستہ پر

ڈال دیا۔ جو صراطِ مستقیم ہے وہ خود خدا تعالےٰ کے حضور قبولیتِ دعا کا ایک زندہ اور زندگی بخش نشان تھا اور جس کو قبولیت دعا کا تجربہ دیا گیا تھا اس نے منکرینِ دعا کو پکارا اور کہا ؎

از دعا کن چارۂ آزارِ انکارِ دعا
چون علاج مے ز مے وقتِ خمار و التہاب

ایکہ گوئی گر دعا ہارا اثر بودے کجا است
سوئے من بشتاب بنمائم ترا چون آفتاب

ہاں مکن انکار زیں اسرارِ قدرتہائے حق
قصہ کوتاہ کن بہ بیں از ما دعائے مستجاب

اور قبولیت دعا کے بے شمار اعجاز اس سے سرزد ہوئے۔
اللہ تعالےٰ ان پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

خاکسار

یعقوب علی (عرفانی کبیر)

(۱) دُعا کی ماہیت

دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنے پہلے خدا تعالےٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی ...... کشش سے خدا تعالےٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہونچکر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف کامل یقین اور کامل اُمید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی رُوح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالےٰ کی عنایت کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں

جو اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبیعہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہ تعالےٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے خدا تعالےٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور

پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ بقدر ھمہ وغمہ وحزنہ لھذہ الامتہ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔ اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبیعہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دعا ہے۔

(برکات الدعاء)

(۲) دُعا ایک فطرتی امر ہے

دیکھو ایک بچہ بھوک سے بے تاب اور بیقرار ہو کر دودھ کے لئے چلاتا ہے اور چیختا ہے تو ماں کی پستان میں دودھ جوش

مار کر آجاتا ہے۔ حالانکہ بچہ تو دعا کا نام بھی نہیں جانتا۔ لیکن یہ کیا سبب ہے کہ اس کی چیخیں دودھ کو جذب کر لیتی ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ عموماً ہر ایک صاحب کو اس کا تجربہ ہے بعض اوقات ایسا دیکھا گیا ہے کہ مائیں اپنی چھاتیوں میں دودھ کو محسوس بھی نہیں کرتی ہیں اور بسا اوقات ہوتا بھی نہیں۔ لیکن جونہی بچہ کی دردناک چیخ کان میں پہنچی۔ فوراً دودھ اتر آیا ہے جیسے بچہ کی ان چیخوں کو دودھ کے جذب اور کشش کے ساتھ ایک علاقہ ہے میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری چلاہٹ ایسی ہی اضطراری ہو تو وہ اس کے فضل اور رحمت کو جوش دلاتی ہے اور اس کو کھینچ لاتی ہے اور میں اپنے تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ خدا کے فضل اور رحمت کو جو قبولیت دعا کی صورت میں آتا ہے میں نے اپنی طرف کھینچتے ہوئے محسوس کیا بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ دیکھا ہے ہاں آجکل کے زمانہ کے تاریک دماغ فلاسفر اس کو محسوس نہ کر سکیں یا نہ دیکھ سکیں تو یہ صداقت دنیا سے اٹھ نہیں سکتی اور خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ میں قبولیت دعا کا نمونہ دکھانے کے لیے ہر وقت تیار ہوں (ملفوظات)۔

(۳) دعا اور قضاء و قدر

آجکل مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ بھی پایا جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ دعا کچھ چیز نہیں ہے اور قضاء و قدر بہر حال وقوع میں آتی ہے لیکن افسوس کہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ باوجود سچائی مسئلہ قضاء و قدر کے پھر بھی خدا تعالےٰ کے قانون قدرت میں بعض آفات کے دور کرنے کے لئے بعض چیزوں کو سبب ٹھرا رکھا ہے جیسا کہ پانی پیاس بجھانے کے لئے اور روٹی بھوک کے دور کرنے کے لئے قدرتی اسباب ہیں پھر کیوں اس بات سے تعجب کیا جائے کہ دعا بھی حاجت براری کے لئے خدائے تعالےٰ کے قانون قدرت میں ایک سبب ہے جس میں قدرت حق نے فیوض الٰہی کے جذب کرنے کے لئے ایک قوت رکھی ہے۔ ہزاروں عارفوں اور راستبازوں کا تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ درحقیقت دعا میں ایک قوت جذب ہے اور ہم بھی اپنی کتابوں میں اس بارے میں اپنے ذاتی تجارت لکھ چکے ہیں اور تجربہ سے بڑھکر اور کوئی ثبوت نہیں۔ اگرچہ یہ ہے کہ قضاء و قدر میں پہلے سے سب کچھ قرار پاچکا ہے۔ مگر جس طرح یہ قرار پاچکا ہے کہ فلاں بیمار ہوگا اور پھر یہ دوا استعمال کرے گا تو وہ شفا پا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی قرار پاچکا ہے

کہ فلاں مصیبت زدہ اگر دعا کرے گا تو قبولیت دعا سے اسباب نجات اس کیلئے پیدا کئے جائیں گے اور تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ جس کو خدائے تعالےٰ کے فضل سے یہ اتفاق ہو جائے کہ بمعہ شرائط دعا ظہور میں آوے وہ کام ضرور ہو جاتا ہے اسی کی طرف قرآن شریف کی یہ آیت اشارہ فرما رہی ہے ادعونی استجب لکم یعنے تم میرے حضور میں دعا کرتے رہو۔ اور میں قبول کروں گا تعجب ہے کہ جس حالت میں باوجود قضاء و قدر کے مسئلہ پر یقین رکھنے کے تمام لوگ بیماریوں میں ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پھر دعا کا بھی کیوں دوا پر قیاس نہیں کرتے۔

(۴) دُعا اور تدبیر کا باہمی تعلق

دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبائع کسی مصیبت کے وقت جس طرح تدبیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دعا اور صدقہ اور خیرات کی طرف جھک جاتی ہیں۔ اگر دنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کسی قوم کا کانشنس (ضمیر) اس متفق علیہ مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا پس یہی ایک رُوحانی دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی سے بھی

قدیم سے تمام قوموں کو...... یہی فتوے دیا ہے کہ وہ دعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں بلکہ دعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کریں غرض دعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں کہ جو قدیم سے اور جب سے انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہیں۔ اور تدبیر دعا کیلئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے تا اس چشمۂ لازوال سے روشنی پا کر عمدہ تدبیریں میسر آسکیں۔

(۵) دعا اور تدبیر میں تناقض نہیں ہے

خدا کا قانونِ قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے ہمیں تبلا رہا ہے کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے یعنے جب ہم فکر کے ذریعہ یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً اس غور و فکر کے لیے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے

لیے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے۔ تب اس قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لیے مفید ہوتا ہے۔ سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت اس خوض اور غور و فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جس کو ہم دوسرے لفظوں میں دعا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فکر اور غور کے وقت جب کہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بزبان حال اس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ غرض جب کہ ہماری رُوح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدءِ فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پا کر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی رہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے اس دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اسکے ظہور میں آیا ہو۔

(۶) عارفوں اور محجوبوں کی دعا میں کیا فرق ہے

ہمارا سوچنا ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لیے خیال کو

دوڑانا یہ سب اُمور دعا ہی میں داخل ہیں صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آداب و معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور ان کی رُوح مبدءِ فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگرانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے وہ لوگ جن کو خدائے تعالیٰ سے ربط معرفت نہیں اور اس پر یقین ہے کہ وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات ان کے دل میں پڑ جائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اُس پر کھلے لیکن محجوب جو خدائے تعالیٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدءِ فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اس کی طبیعت بھی سرگرانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لئے وہ تفکر کرتا ہے مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دیکر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرتے والے کے دل میں ڈالتا ہے۔ غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے مگر

خدائے تعالےٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علیٰ وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دعا ہے اور اگر صرف فکر اور غور و خوض کرنے کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کی جائے اور نور حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دعا ہے۔

(۷) قانون قدرت میں قبولیت دعا کی نظیریں موجود ہیں

قانون قدرت میں قبولیت دعا کی نظیریں موجود ہیں اور ہر زمانہ میں خدائے تعالےٰ زندہ نمونہ بھیجتا ہے اس لئے اس نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا تعلیم فرمائی ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا منشاء اور قانون ہے۔ اور کوئی نہیں جو اس کو بدل سکے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا سے پایا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال کو اکمل اور اتم کر۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر اشارۃ النص کے طور پر اس سے دعا کرنے کا حکم ہوتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم ہے لیکن اس کے سر پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بتا رہا ہے کہ اس سے

فائدہ اٹھائیں۔ یعنے صراط المستقیم کے منازل کیلئے قلب سلیم سے
کام لیکر استعانت الٰہی کو مانگنا چاہیئے۔ پس ظاہری اسباب کی
رعایت ضروری ہے جو اس کو چھوڑتا ہے وہ کافر نعمت ہے۔ دیکھو
یہ زبان جو خدائے تعالےٰ نے پیدا کی ہے اور عروق واعصاب سے
اس کو بنایا ہے۔ اگر ایسی نہ ہوتی تو ہم بول نہ سکتے ایسی زبان دعا
کے لیے عطا کی جو قلب کے خیالات اور ارادوں کو ظاہر کر سکے! اگر
ہم دعا کا کام زبان سے کبھی نہ لیں تو ہماری شور بختی ہے۔ بہت سی
بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر وہ زبان کو لگ جائیں تو وہ ایک دفعہ ہی کام
چھوڑ بیٹھتی ہے یہ رحیمیت ہے ایسا ہی قلب میں خشوع و خضوع کی
حالت رکھی اور سوچنے اور تفکر کی قوتیں ودیعت کی ہیں پس یاد رکھو
اگر ہم ان قوتوں اور طاقتوں کو معطل چھوڑ کر دعا کرتے ہیں تو یہ دعا
کچھ بھی مفید اور کارگر نہ ہوگی۔ کیونکہ جب پہلے عطیہ سے کچھ کام نہیں لیا۔
تو دوسرے سے کیا نفع اٹھائیں گے اس لیے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
سے پہلے اِيَّاكَ نَعْبُدُ بتا رہا ہے کہ ہم نے تیرے پہلے عطیوں اور
اور قوتوں کو بیکار اور برباد نہیں کیا۔ یاد رکھو رحمانیت کا خاصہ
یہی ہے کہ وہ رحیمیت سے فیض اٹھانے کے قابل بنا دے۔ اس لئے
خدائے تعالےٰ جو ادعونی اَسْتَجِبْ لکم فرمایا۔ یہ نری لفاظی نہیں ہے۔

بلکہ انسانی شرف اسی کا متقاضی ہے۔ مانگنا انسانی خاصہ ہے اور استجابت اللہ تعالےٰ کا جو نہیں مانتا وہ ظالم ہے۔ دُعا ایک ایسی سرور بخش کیفیت ہے کہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں کن الفاظ میں اس لذت اور سرور کو دنیا کو سمجھاؤں یہ تو محسوس کرنے ہی سے پتہ لگے گا۔ مختصر یہ کہ دُعا کے لوازمات سے اول ضروری یہ ہے کہ اعمال صالحہ اور اعتقاد پیدا کریں۔ کیونکہ جو شخص اپنے اعتقادات کو درست نہیں کرتا اور اعمال صالحہ سے کام نہیں لیتا اور دعا کرتا ہے وہ گویا خدا تعالےٰ کی آزمائش کرتا ہے۔

(۸) دُعا کے اثر کیلئے صفاتِ الٰہیہ کا لحاظ ضروری ہے

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ دُعاؤں کو سنتا ہے اور وہ بہت ہی قریب ہے۔ لیکن اگر خدا تعالےٰ کی صفات اور اسماء کا لحاظ نہ کیا جائے تو وہ کچھ بھی اثر نہیں رکھتی صرف اس ایک راز کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ معلوم نہ کرنے کی وجہ سے دنیا ہلاک ہو رہی ہے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ ہم نے بہت دعائیں کیں اور ان کا نتیجہ کچھ نہیں ہوا۔ اور اس نتیجہ نے ان کو دہریہ بنا دیا۔

بات اصل میں یہ ہے کہ ہر امر کے لئے کچھ قواعد اور قوانین ہوتے ہیں۔ ایسا ہی دعا کے واسطے قواعد اور قوانین مقرر ہیں یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی اس کا باعث یہی ہے کہ وہ اُن قواعد اور مراتب کا لحاظ نہیں رکھتے جو قبولیت دعا کے واسطے ضروری ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے جب ایک لانظیر اور بیش بہا خزانہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس کو پا سکتا ہے اور لے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کبھی بھی جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالےٰ کو قادر خدا مان کر یہ تجویز کریں کہ جو کچھ اس نے ہمارے سامنے رکھا ہے اور جو ہمیں کھایا ہے یہ محض سراب اور دہوکہ ہے۔ ایسا وہم بھی انسان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ نہیں بلکہ ہر ایک اس خزانہ کو لے سکتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ ہر ایک کو یہ خزانے دے سکتا ہے اور پھر بھی اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔

(۹) دعا میں انسان کی رعایت ضروری ہے

سنو! وہ دعا جس کے لئے اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ فرمایا ہے۔ اس کے لئے بھی یہی روح مطلوب ہے اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی روح نہیں تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی

رعایت ضروری نہیں ہے؟ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ شریعت نے اسباب کو منع نہیں کیا ہے اور سچ پوچھو تو کیا دعا اسباب نہیں؟ اسباب دعا نہیں؟ تلاش اسباب بجائے خود ایک دعا ہے اور دعا خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ ہے۔

(۱۰) غیر اللہ سے دعا اور سوال غیر مومنانہ طریق ہے

پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دعا سے حاصل ہوتی ہے۔ غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت مخالف ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ دعا کا اللہ ہی کے لئے ہے جب تک انسان پورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالےٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے۔ سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالےٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہوں جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے۔ پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے ہر کام ہر حرکت و سکون کو اسی انجن کی طاقت عظمیٰ کے ماتحت نہ کر لیوے وہ کیوں کر اللہ تعالےٰ کی الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے اور اپنے آپ کو

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہتے وقت
واقعی حنیف کہہ سکتا ہے جیسے منہ سے کہتا ہے ویسے ہی ادھر کی طرف
متوجہ ہو تو لاریب وہ مسلم ہے۔ وہ مومن اور حنیف ہے لیکن جو شخص
اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور ادھر بھی جھکتا ہے۔
وہ یاد رکھے کہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے کہ اس پر وہ وقت آ جانے
والا ہے کہ وہ زبانی اور نمائشی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جھک نہ
سکے۔ نماز کی عادت میں کسل کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کیونکہ جب
انسان غیر اللہ کی طرف جھکتا ہے تو روح اور دل کی طاقتیں اس
درخت کی طرح (جس کی شاخیں ابتداءً ایک طرف کر دی جاویں اور
اس طرف جھک کر پرورش پالیں) ادھر ہی جھکتا ہے اور خدائے تعالیٰ
کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اس کے دل میں پیدا ہو کر اسے منجمد اور پتھر
بنا دیتا ہے۔ جیسے وہ شاخیں پھر دوسری طرف مڑ نہیں سکتیں اسی طرح پر
دل اور روح دن بدن خدا تعالیٰ سے دور ہوتی جاتی ہے پس بڑی
خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو
چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے۔

(۱۱) دعا سے کیا ملتا ہے؟

اگر دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خداشناسی کے بارے میں حق الیقین

تک نہ پہنچ سکتا۔ دُعا سے الہام ملتا ہے۔ دُعا سے ہم خدائے تعالےٰ سے کلام کرتے ہیں۔ جب انسان اخلاص اور توحید اور صدق وصفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا کی حد تک پہنچ جاتا ہے تب وہ زندہ خدا اس پر ظاہر ہوتا ہے جو لوگوں سے پوشیدہ ہے فرماتے ہیں ؎

آن خدائے کہ از واہل جہاں بے خبراند ٭ بر من او جلوہ نمود است گر اہلی بہ پذیر

(۱۲) قبولیتِ دُعا کے متعلق ایک اصُول

دعا کا اصول یہی ہے۔ اللہ تعالےٰ قبول دعا میں ہماری خواہشات کے تابع نہیں ہوتا ہے۔ دیکھو بچے کس قدر اپنی ماؤں کو پیارے ہوتے ہیں کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچے۔ لیکن بچے اگر بے ہودہ طور پر اصرار کریں اور رو رو کر تیز چاقو یا آگ کا روشن چمکتا ہوا انگارہ مانگیں تو کیا ماں باوجود سچی محبت اور حقیقی دلسوزی کے کبھی گوارا کریگی کہ اس کا بچہ آگ کا انگارہ لیکر اپنا ہاتھ جلائے یا چاقو کی تیز دھار پر ہاتھ مار کر اپنا ہاتھ کاٹ لے ہرگز نہیں۔ اسی اصول سے اجابت دعا کا اصول سمجھ سکتے ہیں۔ میں خود اس امر میں تجربہ رکھتا ہوں کہ جب دُعا میں کوئی جزو مضر ہوتا ہے تو وہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوتی۔ یہ بات خوب سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ہمارا علم یقینی اور صحیح نہیں ہوتا۔ بہت سے کام نہایت خوشی

سے مُبارک سمجھ کر کرتے ہیں اور اپنے خیال میں ان کا نتیجہ بہت ہی مُبارک سمجھتے ہیں مگر انجام کار وہ ایک غم اور مصیبت ہو کر چمٹ جاتا ہے۔ غرض یہ کہ خواہشات انسانی سب باتوں پر صاد نہیں کر سکتیں کہ سب صحیح ہیں۔ چونکہ انسان سہو اور نسیان سے مرکب ہے اس لئے ہونا چاہئے اور ہوتا ہے کہ بعض خواہشات مضر ہوتی ہیں اور اللہ تعالےٰ انکو منظور کرے تو یہ منصب رحمت کے صریح خلاف ہو جائے۔ یہ ایک سچا اور یقینی امر ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کو قبولیت کا شرف بخشتا ہے مگر ہر رطب یابس کو نہیں کیونکہ جوش نفس کی وجہ سے انسان انجام اور مآل کار کو نہیں دیکھتا اور دعا کرتا جاتا ہے مگر اللہ تعالےٰ جو حقیقی بھی خواہ اور مآل بین ہے ان مضرتوں اور بد نتائج کو ملحوظ رکھکر جو اس دُعا کے ماتحت بصورت قبول دعا داعی کو پہنچ سکتے ہیں اسے رد کر دیتا ہے۔

(۱۳) دُعا کا اصل مقصد اطمینان قلب ہے

بعض لوگ اپنی نظر خطا کار کی وجہ سے یہ اعتراض کر بیٹھے ہیں کہ بہتیرے ایسے آدمی نظر آتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ اپنے حال اور قال سے دعا میں فنا ہوتے ہیں پھر بھی اپنے مقصد میں نامراد رہتے اور

نامراد مرتے ہیں۔ اور بمقابل ان کے ایک اور شخص ہوتا ہے کہ
نہ دعا کا قائل اور نہ خدا کا قائل وہ ان پر فتح پاتا ہے اور بڑی بڑی
کامیابیاں ان کو حاصل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ابھی میں نے اشارہ کیا۔
اصل مطلب دُعا سے اطمینان اور تسلی اور حقیقی خوشحالی کا پانا ہے
اور یہ ہرگز صحیح نہیں کہ ہماری حقیقی خوشحالی صرف اسی امر میں میسر آسکتی
ہے جس کو ذریعہ دعا چاہتے ہیں بلکہ وہ خدا جو جانتا ہے کہ ہماری حقیقی
خوشحالی کس امر میں ہے وہ کامل دعا کے بعد ہمیں عنایت کر دیتا ہے
جو شخص رُوح کی سچائی سے دعا کرتا ہے وہ ممکن نہیں کہ حقیقی طور پر
نامراد رہ سکے بلکہ وہ خوشحالی جو نہ صرف دولت سے مل سکتی ہے اور
نہ حکومت سے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے جس پیرایہ میں چاہے وہ
عنایت کر سکتا ہے وہاں وہ کامل دعاؤں سے عنایت کیجاتی ہے
اگر خدائے تعالٰے چاہتا ہے تو ایک مخلص صادق کو عین مصیبت کے
وقت دعا کے بعد وہ لذت حاصل ہو جاتی ہے جو ایک شہنشاہ کو تخت
شاہی پر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی کا نام حقیقی مرادیابی ہے۔ جو آخر
دعا کرنے والوں کو ملتی ہے اور ان کی آفات کا خاتمہ بڑی خوشحالی
کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اگر اطمینان اور سچی خاموشی حاصل نہیں ہوئی
تو ہماری کامیابی بھی ہمارے لئے ایک دکھ ہے۔ یہ اطمینان اور

روح کی سچی خوشحالی تدابیر سے ہرگز نہیں ملتی بلکہ محض دعا سے ملتی ہے
مگر جو لوگ خاتمہ پر نظر نہیں رکھتے وہ ایک ظاہری مرادیابی یا نامرادی
کو دیکھ کر مدار فیصلہ اسی کو ٹھہراتے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ خاتمہ
بالخیر ان ہی کا ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتے اور دعا میں مشغول ہوتے ہیں
اور وہی بذریعہ حقیقی اور مبارک خوشحالی کے سچی مرادیابی کی دولت
عظمیٰ پاتے ہیں۔ (ملفوظات)

میں سمجھتا ہوں کہ اس قدر اشارات مسئلہ دعا اور استجابت
کے سمجھنے میں کافی مدد دینگے اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور
مزید تفصیلات رسالہ دعا کے لئے چھوڑ دی جاتی ہیں۔ واللہ التوفیق۔

(عرفانی کبیر)

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السّلام کی دعائیں

تمہیدی نوٹ

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کا نام لیکر ذکر فرمایا اور بعض کا نام نہیں لیا اور اصولی طور یہ فرمایا کہ کوئی ملک اور کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں جن میں خدا تعالےٰ کے نبی نہ آئے ہوں۔ جن انبیاء علیہم السلام کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے ان میں سے اکثر کی دعاؤں کی بھی اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی فرمائی اور مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ تمام نبوتوں کے جامع ہیں اور انبیاء مذکور فی القران کے کمالات کو بھی لئے ہوئے تھے اس لئے ان انبیاء علیہم السلام کو جس قسم کے واقعات پیش آئے تھے وہ کسی نہ کسی رنگ میں آپ کو یا آپ کی جماعت کو الیٰ یوم القیامتہ پیش آنے والے تھے اس لیے اللہ تعالےٰ نے اس مشکلات و حوادث میں نجات کا وہ طریق بتا دیا جو انبیا سابقین علیہم السلام کے مشکلات کے وقت گرہ کشا ہوا تھا۔ میں نے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کے سلسلہ میں تاریخی ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا۔ اس لئے کہ تاریخ مقصود نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا

چونکہ ناقابل خطا حربہ دعا ہی ہوتا ہے اس لئے قرآن مجید نے ان دعاؤں کو بھی جمع کر دیا جس طرح پہلی تمام صداقتوں اور ہدایتوں کو اپنے اندر محفوظ کر دیا اور اللہ تعالےٰ کی وحی نے اس پر یہ کہکر مہر کر دی۔

فِیهَا كُتُبٌ قَيِّمَة

مین نے انبیاء علیہم السلام کی قرآنی دعاؤں کا ایک جدا عنوان قائم کر کے یہ بھی دکھانا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کا جو قرآن کریم میں آئی ہیں) کا مقام اور شان کیا ہے۔ پھر ان دعاؤں کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ نسخہ مشکلات و آلام میں ناقابل خطا ہے اور جبکہ قرآن مجید کی اہم الادعیہ اور جامع دعا سورہ فاتحہ پر ہم غور کرتے ہوئے یہ دعا کرتے ہیں اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم تو اس منعم علیہ گروہ پر جو انعامات ہوئے ہیں ان انعامات کا سب سے بڑا ذریعہ دعا ہی ہے اسکے انعامات الٰہیہ کو حاصل کرنے کے لئے ان کی عملی زندگی کے دستور العمل دعا کو مقدم پاتے ہیں ان دعاؤں پر غور کرو اور اس روح کو اپنے اندر پیدا کرو اللہ ہم سب کو توفیق روزی کرے آمین۔

(عرفانی کبیر)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی دُعائیں

تمہیدی نوٹ

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ[1] تھے اور اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حضور کی بعثت کی بشارت دی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آنے والے تھے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو آئے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں آخری زمانہ کے فتن کی پیشگوئیاں فرمائیں وہاں یہ بھی پیشگوئی فرمائی کہ اُمت محمدیہ پر ایک ایسا وقت بھی آجائیگا کہ وہ یہود کے نقش قدم پر چلنے لگیں گے اور جو عیوب یہود میں پیدا ہو گئے تھے اس امت میں بھی الا ماشاء اللہ پیدا ہو جائیں گے۔ اس فتنہ کے علاج اور ان مریضوں کے مسیحا کی بھی بشارت دی۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک اولوالعزم صاحب شریعت نبی تھے اور آپ کے بعد یہ سلسلہ نبوۃ متواتر چلتا رہا یہاں تک حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر آکر ختم ہوگیا اور نبوت

اسرائیلی خاندان میں ختم ہوکر اسماعیلی خاندان میں
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور میں اپنی
کامل وسعت اور عظمت کے ساتھ ایک جامع اور زندہ نبوت
کی شکل میں جلوہ گر ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ حیات یہاں بیان کرنا
مقصود نہیں مگر واقفیت عامہ کے خیال سے اتنا بتا دینا
ضروری ہے کہ وہ مصر میں پیدا ہوئے وہاں ہی آپ کا نشوونما
ہوا۔ اور آپ کی دعوت کا ابتدائی مرکز بھی مصر ہی سے شروع
ہوا۔ جہاں تک تاریخ توراۃ سے پتہ چلتا ہے بنی اسرائیل یعنی
حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل ابتداً مصر میں حضرت یوسف
علیہ السلام کے وقت میں آباد ہوئی جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام
کو وہاں ایک خاص مقام عزت و رفعت حاصل تھا جسکا اللہ تعالےٰ
نے آپ کو ایک رویا صالحہ کے ذریعہ علم دیا تھا۔ حضرت یوسف
علیہ السلام نے اپنی قوم کو شہر سے دور ایک علاقہ میں آباد کیا تھا۔
مقصد یہ تھا کہ وہ شہری ماحول سے الگ رہ کر اپنے قومی خصایص
کو قائم رکھ سکیں لیکن رفتہ رفتہ وہ حکومت کے جبر واستبداد کا
نشانہ ہوکر رہ گئے۔ تب اللہ تعالےٰ نے اس قوم اسرائیل کے

احیاء کے لئے حضرت موسیٰ کو مبعوث فرمایا اور ان کی دعا کی قبولیت میں حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر مقرر فرمایا مختلف حالات اور اوقات کے لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعائیں کی ہیں ان کو میں بتوفیقہ تعالیٰ قرآن مجید سے درج کرتا ہوں هو نعم المولیٰ ونعم الرفیق۔

میں ان دعاؤں کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں ایک حصہ ان دعاؤں کے متعلق ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کی ہیں بعض ان میں سے مصری زندگی کی ہیں اور بعض مصر سے نکلنے اور مدین میں قیام کے زمانہ کی اور دوسرا حصہ ان دعاؤں کا ہے جو بعثت کے بعد کی ہیں وہ مامور و مرسل ہو کر فرعون کو اور اس کی قوم کو دعوت حق پہونچانے کے لیئے جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اپنے اندر عجائبات کا مجموعہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثیل در مثیل تھے۔

(عرفانی کبیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کی دعائیں

تمہیدی نوٹ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبشر اور مثیل تھے۔ قرآن مجید نے مناسب حال آپ کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک پاک فطرت لیکر آئے تھے جو نبوۃ کا خاصہ ہے۔ اور آغاز شباب ہی سے وہ اپنی قوم کی ہمدردی اور نجات کا جذبہ رکھتے تھے آپ کی ابتدائی زندگی پر قرآن مجید کی شہادت سے ایک آیتہ پیش کرتا ہوں۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ

یعنی۔ اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہونچا اور اُس نے اپنی قوت میں قیام وکمال حاصل کرلیا تو ہم نے اُس کو قوت فیصلہ اور علم صحیح عطا کیا۔

اور محسنین کو ہم اسی طرح پر بدلہ دیا کرتے ہیں

اس آیتہ کا آخری حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی

پر ایک ربانی شہادت ہے اور اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے ان کو نہ صرف جسمانی قوت و طاقت ہی عطا فرمائی تھی بلکہ نور علم اور قوت فیصلہ سے بھی نوازا تھا حدیث موسیٰؑ بہت کچھ لکھوانا چاہتی ہے مگر اس رسالہ کا موضوع تاریخ نہیں بلکہ انسانی دعاؤں کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہ مختصر بیان کرنا پڑتا ہے۔ قصر شاہی میں اللہ تعالٰے نے ان کی تربیت کا انتظام اعجازی رنگ میں کیا تاکہ ان کا نشو ونما عمدگی سے ہو سکے اور ان کے قلب سے خوف و احساس کمتری جاتا رہے اس لئے کہ وہ آگے چل کر اسرائیل کی نجات کا ذریعہ بننے والے تھے۔ اور یہ باوجود خدا کی برگزیدہ قوم ہونے کے صدیوں کی غلامی کے باعث پست ہمت اور انتہائی بزدل ہو چکی تھی۔ غرض جب اسطرح پر قصر شاہی میں ان کی تربیت ہو چکی تو وہ ایک قوی ہیکل اور بہادر نوجوان تھے اور یہ احساس بھی ان کا ہو چکا تھا کہ ان کی اپنی قوم بنی اسرائیل مظلوم ہے اس لئے انہیں جب بھی موقعہ ملتا تو اس قوم کی حمایت کسی نہ کسی رنگ میں کرتے تھے اس وقت تک ان کی جسمانی تربیت قصر شاہی میں ہوئی تھی۔ لیکن نبوۃ کے لئے روحانی تربیت کی ضرورت تھی اور مصر میں نہ ہو سکتی تھی اللہ تعالٰے نے اس کے لئے سامان پیدا کئے موسیٰ علیہ السلام کے جذبہ ہمدردی

وحمایت مظلوم کو بنی اسرائیل بھی محسوس کرنے لگے تھے اس لئے جب
ان میں سے کسی کو موقعہ ملتا تو مدد کے لئے پکارتا۔ اس کا ایک واقعہ
قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مصری کو ظلم سے
روکنے کے لئے ایک طمانچہ مارا اور وہ ختم ہو گیا۔ اس پر حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے دعا کی اسی دعا کے سمجھنے کیلئے یہ تمہیدی نوٹ لکھا ہے۔

سورۂ قصص پارہ ۲۰ رکوع ۲ آیۃ (۱۶ و ۱۷)

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (آیۃ ۱۶)
قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ (آیۃ ۱۷)

اس نے (موسیٰ نے) عرض کیا اے میرے رب میں نے اپنی
جان پر ظلم کیا پس میری حفاظت فرمایا اللہ تعالے نے اس
دعا کو قبول فرمایا اور موسیٰ کی حفاظت کی بے شک اللہ تعالے
غفور الرحیم ہے۔ (۱۶)

موسیٰ نے پھر عرض کیا اے میرے رب اسلئے کہ تو نے مجھ پر انعام
کیا میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ (۱۷)

(نوٹ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے پہلے قرآن مجید میں
یہ ذکر ہے کہ فرعونی شخص جو اسرائیلی پر ظلم کر رہا تھا اس کو حضرت
موسیٰ نے ایک مکا مارا اور جس سے وہ مر گیا اسکے بعد موسیٰ علیہ السلام کا قول بیان
کیا ہے۔

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ

یہ شیطانی فعل ہے بعض لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ اپنا فعل نعوذ باللہ شیطانی فعل تھا یہ صحیح نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو قرآن کریم اس سے پہلے کہہ چکا ہے کہ جب موسیٰ سن رشد کو پہونچے اور قوت و توانائی سے انہیں حصّہ ملا تو اللہ تعالےٰ نے ان کو زیور علم سے آراستہ کیا اور قوت فیصلہ عطا کی اور پھر اس عطا کے متعلق فرمایا۔

کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ

اس میں موسیٰ علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں یہ ہماری سنت اور قانون ہے کہ محسنین کو ہم اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ محسنین خدائے تعالےٰ کے کامل فرمانبردار اور اطاعت گزار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا قرب اور محبت انہیں نصیب ہوتی ہے گویا یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محسن قرار دیا ہے اور محسن کی تعریف قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آئی ہے۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (الآیۃ)

یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام موجود کو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے ارادوں کی پیروی میں لگادے تب یہ حالت اس کے مسلم ہونے پر دلالت کرتی ہے اور جب اس سے آگے وہ ترقی کرتا ہے اُس کی اعتقادی اور عملی صفائی ایسی محبت ذاتی پر مبنی ہوتی ہے اور اعمال حسنہ اس سے قطعی جوش سے سرزد ہوتے ہیں گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے تو یہ مقام احسان ہے یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ مقام حاصل تھا تو یہ کہنا کہ اُنھوں نے اپنے فعل مکہ مارنے کو عمل شیطانی کہا صریح غلط ہے انبیاء علیہم السلام کی معصومیت کی شان ان کی بعثت سے پہلے بھی قائم ہوئی ہے اور اُن سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جو شانِ نبوت کے آیندہ چل کر مخالف ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کا یہ خطاب اسرائیلی کو مارنے والے سے ہے کہ کمزور و ناتوان پر حملہ کرنا اور اس کو دکھ دینا یہ عمل شیطانی ہے۔
موسیٰ علیہ السلام میں جو کمزوروں اور دنیا کے مجبوروں کی مدد کا جذبہ تھا یہ تو ایک فعل حسنہ تھا اسی جذبہ سے متحرک ہو کر انھوں نے

حملہ آور پر حملہ کیا۔ بہر حال

حضرت موسیٰؑ نے اُس وقت اپنے مولیٰ سے دُعا کی کہ

اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا یعنے بظاہر یہ ایک ایسا فعل ہے کہ حکومت اس پر مواخذہ کر سکتی ہے تو میری نیت سے آگاہ ہے میری پردہ پوشی فرما۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس دُعا کو قبول فرمایا اور کسی نے اس مقدمہ میں آپ کو ماخوذ نہ کیا۔ اس دعا کی قبولیت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ قصوروار نہ تھے اُنھوں نے اپنے مظلوم بھائی کی مدد کی تھی۔

اللہ تعالےٰ کے اس فضل وکرم کو دیکھتے ہوئے پھر انہیں دعا کا جوش پیدا ہوا۔ کہ اے میرے رب تو نے مجھ پر انعام کیا ہے اس لئے میں تیرے حضور عہد کرتا ہوں کہ میں کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرونگا جس نے تجھ سے قطع تعلق کیا ہو۔

پس ان دونوں دعاؤں میں یہ تعلیم ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا رہے اور اس کے فضل اور رحم کے لئے ایک جوش اور اضطراب پیدا کرے تاکہ اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو اللہ تعالےٰ کے منشاء کے خلاف ہو۔ اور یہ بھی کہ وہ خدا تعالےٰ کے فضل وکرم کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی ایسے شخص کا

معین و مددگار نہ ہو جس نے اپنے اعمال سے خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر لیا ہو۔

(۳) اسی سلسلہ کی ایک اور دعا

قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے ظالموں کی قوم سے نجات بخش۔ سورۃ قصص پارہ ۲۰ آیۃ ( )

نوٹ۔ دوسرے دن موسیٰ علیہ السلام کو پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ وہی اسرائیلی جس نے پہلے مدد کے لئے پکارا تھا پھر کسی سے برسرپیکار تھا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اسے تنبیہ کیا کہ تیرا یہ فعل اچھا نہیں کہ آئے دن جھگڑا مول لیتا ہے۔ تب موسیٰ کو دوسرے شخص نے آگاہ کیا کہ تو کل کی طرح مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے اور اسی طرح پر تو چاہتا ہے کہ ملک میں جابر ہو جائے کیا تو نہیں چاہتا کہ

مفسد کی بجائے مصلح ہو

اسی اثناء میں ایک شخص نے جو اپنے فعل سے معزز اور شریف پایا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کیا کہ آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ یہاں سے نکل جاویں آپ کی گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجرت کا عزم کر لیا اور دعا کی کہ

اے میرے رب مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دے

اس طرح پر وہ فرعونیوں کے مواخذہ سے بچ کر مدین پہنچ گئے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے۔

(۴) غریب الوطنی کی دعا

فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

اے میرے رب جو کچھ بھی تو مجھے خیر سے عطا فرما دے میں اس کا محتاج ہوں۔ (سورۂ قصص رکوع ۳ آیۃ ۲۵)

نوٹ۔ یہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کی جب کہ وہ مصر سے بھاگ کر مدین پہونچے تھے۔ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلے تو سراسر بے سروسامان اور بے یار و مددگار تنہا نکلے تھے۔

مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام اپنی عمر کے آخری حصہ میں تھے اور یہ قبیلہ مدین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قرابت رکھتا تھا۔ حضرت موسیٰ بنی اسحاق میں سے تھے اور مدین کا قبیلہ مدین بن ابراہیمؑ کی نسل سے تھا۔ بہر حال موسیٰؑ اپنے اس کٹھن سفر کو طے کر کے ارض مدینؑ

ین داخل ہوئے تو آبنوشی کے مقام پر اُنھوں نے ایک بڑے مجمع کو پایا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور پاس ہی دو شریف نوجوان لڑکیاں اپنے جانوروں کو پانی پلانے کیلئے منتظر موقع تھیں۔

حضرت موسیٰؑ اس منظر سے بے حد متاثر ہوئے اور انھیں محسوس ہوا کہ جبر و استبداد کے نظام نے ہر جگہ کمزوروں پر ظلم روا رکھا ہوا ہے اُن میں دوسروں کی مدد کا جو جذبہ تھا وہ بھڑک اٹھا اور اُنھوں نے آگے بڑھ کر ان لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ اُن کی اس جرأت و ہمت کا دوسروں پر ایسا اثر ہوا کہ کوئی روک نہ سکا۔ لڑکیاں اپنے جانوروں کو لیکر گھر چلی گئیں اور باپ سے سب ماجرا کہہ سُنایا۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ کام کسی اجرت اور صلہ کے خیال سے نہ کیا تھا اور ان لڑکیوں سے کچھ نہ کہا تھا بلکہ وہ اس کام سے فارغ ہو کر بے یار و مددگار سفر کی کوفت اور بے سرو سامانی کی حالت میں بیٹھ گئے۔ چونکہ کوئی سوچا ہوا پروگرام نہ تھا اللہ تعالیٰ کے حضو

یہ دُعا کی

اور یہ دُعا قبول ہو گئی حضرت شعیبؑ نے اپنی ایک لڑکی کو بھیجا کہ اس جوان کو جس نے پانی پلایا ہے لے آؤ حضرت شعیبؑ

اللہ تعالےٰ کے نبی تھے ان کی فراست ایمانی نے بتایا کہ اس فطرت کا انسان معمولی انسان نہیں ہو سکتا۔ غرض وہ لڑکی آئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گئی۔

حضرت موسیٰؑ کی اس دعا سے پتہ چلتا ہے کہ جب انسان درماندہ ہو کر کسی شہر یا بستی میں داخل ہو تو اسے خیر و برکت کی دعا کرنی چاہئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر یا بستی میں داخل ہونے کی جو دعا سکھائی ہے وہ اس دعا سے بہت بڑھ کر اور مکمل دعا ہے جس کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

اے اللہ تو سات آسمانوں اور اس کائنات کا رب ہے جس پر وہ سایہ کئے ہوئے ہیں اور تو رب ہے سات زمینوں کا اور اس کائنات کا جو اس پر آباد ہے اور تو رب ہے شیاطین کا بھی اور ان کا بھی جن کو انھوں نے گمراہ کیا اور تو ہی رب ہے ہواؤں کا اور ان چیزوں کا جنکو وہ پھیلاتی ہیں۔ پس ہم حضور سے اس بستی کی اور اس بستی کے اہل کی اور جو کچھ بھی اس بستی میں ہے اس کی خیر طلب کرتے ہیں اور اس بستی کی اور بستی والوں کی اور ہر شہر کے جو اس بستی میں ہے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ اس بستی میں ہم پر برکت نازل فرما اے اللہ عطا فرما اس بستی کی میوہ خوری اور اس بستی کے سارے

ہی لوگ ہم سے محبت کریں اور ہم صرف یہاں کے صالحین سے محبت کریں۔

غرض حضرت موسیٰؑ کی وہ دعا قبول ہوئی۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کم سے کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ دس سال تک اپنے پاس رہنے کا ایک معاہدہ کیا اور اپنی لڑکی کی شادی ان سے کردی۔ یہ زمانہ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اہلی زندگی کی ابتدا اور خدا تعالےٰ کے ایک نبی کے زیر تربیت رہنے کا ہے۔ قرآن کریم میں اگرچہ یہ صراحت نہیں کہ وہ شیخ کبیر کون تھا۔ مفسرین نے اس پر بڑی بحثیں کی ہیں بلند پایہ مفسرین اسے شعیبؑ ہی قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شعیبؑ کا بھتیجا تھا۔ بعض کسی کاہن کا نام لیتے ہیں بہر حال یہ بزرگ جن کو قرآن کریم شیخ کبیر کہتا ہے کوئی معمولی انسان نہ تھا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کا مقرب تھا۔ میں نے عام عقیدہ کے لحاظ سے حضرت شعیبؑ کا نام لکھا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا سفر اور بعثت

اب حضرت موسیٰؑ کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جب وہ اپنے عیال کے ساتھ چلے اور اس اثناء میں اللہ تعالےٰ نے ان کو نبوت عطا کی اور فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے مامور فرمایا۔ اس بحث میں جانے کی مجھے ضرورت نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماموریت قیام

مدین میں بکریاں چراتے ہوئے ہوگئی یا جب وہ اپنے اہل کو لیکر چل پڑے تھے۔ مفسرین نے اس پر بھی طبع آزمائیاں کی ہیں اور بائبل کے حوالہ جات کو بھی زیر بحث رکھا ہے میری اس کتاب کا موضوع تاریخ موسیٰ نہیں۔ ممکن ہے کبھی اللہ نے توفیق دی تو قصص الانبیاء لکھنے کا جو قصد ہے اس میں بحث کروں یہاں میں نے حالات کو محض موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کی تقریب کے سمجھنے کے لئے لکھا ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام خدا تعالےٰ کے انعام نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اور ان کو فرعون کو دعوت حق پہونچانے کا حکم ہوا۔ اب اس عہد نبوۃ میں ان کی دعاؤں کا رنگ دوسرا ہو گیا جو آگے آتا ہے وللہ الحمد۔

ماموریت کے بعد کی دُعائیں

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی سب سے پہلی دُعا

تمہیدی نوٹ

جب میں یہ کہتا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی پہلی دُعا تو اس سے یہ مراد نہیں کہ انھوں نے سب سے اول یہی دعا کی تھی انبیا علیہم السلام کی فطرت ہی اپنے مولیٰ کے حضور ہر وقت جھکنے والی ہوتی ہے۔ ان کی روح میں ایک تڑپ ہوتی ہے پہلی دُعا سے میری مراد بعثت کے بعد کی دُعا ہے اللہ تعالےٰ نے جب وہ اپنے عیال کے ساتھ مصر کو آرہے تھے تو جہاں ان پر خدا تعالےٰ کی تجلّی کا ظہور ہوا اور جسے خدا تعالےٰ نے وادیٔ مقدس یا وادیٔ ایمن نام دیا اور آپ کو فرعون کی طرف مبعوث فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی کمزوریوں کا ذکر کیا اور چاہا کہ یہ کام اُن کے بھائی سے لیا جائے مگر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے چن لیا ہے۔ اور آپ کو منصب نبوۃ و رسالت سے ممتاز فرمایا۔ اس کی نبوۃ کی تائید میں آیات عطا کئے۔ اور تب فرمایا کہ جاؤ فرعون کو دعوت حق دو

وہ بڑا سرکش ہو چکا ہے تب آپ نے اس دعوت کی عظمت اور اُس کے مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے دُعا کی۔ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ذکر ہے میں نے سورۂ طٰہٰ پارہ ۱۶ کو زیر نظر رکھا ہے۔

۵ دُعائے موسیٰؑ بوقت بعثت

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (سورہ طٰہٰ آیتہ ۲۵ سے ۳۶ تک)

(ترجمہ تفسیری) موسیٰؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب میرے سینہ کو کھولدے تاکہ اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں وہ میرے عزم اور ہمت بلندمیں رکاوٹ نہوں اور میرے اس فرض منصبی کے کام کو آسان کردے۔ یہ کام تبلیغ و تلقین ہے اسلئے میری زبان کی گرہ کو کھولدے تاکہ میں منشاء الٰہی کو پوری قوت کے ساتھ موثر اور موکد طریق پر پیش کرسکوں ایسے طور پر کہ سننے والے میرے کلام کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں۔ اور اے میرے رب میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے اس کی وجہ سے میری قوت مضبوط ہو جائے گی اور اسے میرے اس فرض منصبی میں شریک کار بنا تاکہ ہم دونوں

یکدل ہو کر تیری پاکیزگی اور عظمت کا اظہار کریں اور تیرے نام کو بلند کریں بے شک تو ہی ہمارا نگران ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو سنا اور قبولیت کا مژدہ دیتے ہوئے فرمایا

اے موسیٰؑ ہم نے تیری درخواست کو منظور کیا

تم نے جو کچھ مانگا ہے وہ دیا گیا۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا کے اجزا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں متعدد دعائیں ہیں۔

(۱) اے میرے رب میرے سینہ کو کھولدے۔

(۲) یہ امر عظیم میرے سپرد ہے ایک بادشاہ کو دعوت حق کی تبلیغ کا فریضہ میرے سپرد ہوا ہے اسکی راہ میں مشکلات کو آسان کردے۔

(۳) میری زبان کی گرہ کھولدے تاکہ میں منشاء الٰہی کو پوری طرح بیان کرسکوں اور وہ میرا کلام سمجھ سکیں۔

(۴) میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے کہ ہم ملکر تیرا نام بلند کرسکیں۔

گویا یہ ایک جامع دعا ہے جو چار مختلف اجزا یا چار دعاؤں پر مشتمل ہے۔ اس امر کو یاد رکھنا چاہئے کہ دعا محض زبان سے منتر کی طرح

چند الفاظ کے تکرار کا نام نہیں قبولیت دعا کے لیئے ضروری ہے کہ اس کے آداب اور مقاصد کو نظر انداز نہ ہونے دیا جائے۔

یہ دُعا کیا سبق دیتی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دُعا میں ایک عظیم الشان سبق ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مبلغ کی حیثیت سے جا رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ تبلیغ آسان کام نہیں اس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت بڑے حوصلہ قوت مقابلہ اور اخلاقی جرأت کی ضرورت ہے۔ اور تبلیغ کی مشکلات میں سب سے پہلی چیز تو اختلاف عقاید ہوتی ہے اور جن کو حق پہونچایا جاتا ہے وہ اپنے آبائی اور قومی عقاید اور مذہب سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے اور وہ اس حق کے کچلنے کے لئے ہر قسم کے مکاید اور منصوبوں سے کام لیتے ہیں اور ہر قسم کی سختیاں اور تلخیاں داعی حق کے لئے پیدا کر دیتے ہیں اس لئے جب تک اس مبلغ کا حوصلہ بلند اور ہمت و صبر نہ ہو وہ اس کام کو کر نہیں سکتا۔ اور اس کے لئے شرح صدر کی ضرورت ہے!

شرح صدر کے اسبا و آیات

میں شرح صدر کی لغوی بحث میں جانا نہیں چاہتا قرآن مجید خود شرح صدر کی حقیقت بیان کرتا ہے اور اس سے بہتر لغت کیا بیان کرے گی۔

اول شرح صدر سے نور ملتا ہے اور نور ہر قسم کے ظلمات سے نجات دیتا ہے نور کا خاصہ ہے کہ وہ بیداری پیدا کرتا ہے ایک نئی زندگی اور قوت عمل عطا کرتا ہے۔ یہ مشاہدہ ہم آفتاب کے نکلنے پر دیکھتے ہیں کہ عام بیدردی اور حرکت شروع ہوجاتی ہے قرآن کریم سورۂ زمر پارہ ۲۳ رکوع ۳ آیۃ ۲۲۔ میں اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ

یعنے جس شخص کا سینہ اسلام کے لئے کھل جاتا ہے وہی تو ہوتا ہے جس کو اس کے رب کی طرف سے نور دیا جاتا ہے۔

یہاں رسمی اسلام مراد نہیں حقیقت اسلام کے پیدا ہوجانے کا نام ہی شرح صدر ہے اور اس کے نتائج اور ثمرات میں اس نور کا عطا ہونا ہے جو اس کو صحیح فراست اور قوت امتیاز ملتی ہے چنانچہ متقی کے متعلق فرمایا یجعل لکم نوراً تمشون به تم اگر تقویٰ اختیار کروگے تو اللہ تعالےٰ تم میں اور تمہارے غیروں میں ایک امتیاز پیدا کردے گا اور تم کو ایک نور دیا جائیگا جس کی روشنی میں تم چلوگے اور ہر قسم کے خطرات اور تاریکیوں سے محفوظ ہوجاؤ گے ایک دوسری جگہ فرمایا یجعل لکم نوراً تمشون به ویغفر لکم واللہ غفور الرحیم

یعنی اس نور سے تم کو گناہ سوز فطرت عطا ہو جائے گی تمہارے
جذبات اور احساسات میں سے اس عنصر کو مٹا دیا جاویگا جو کسی قسم
کی لغزش کا محرک ہو سکتا تھا۔ پس تم نور کے ساتھ اپنی منزل حیات
کو طے کرو گے۔ وہ نور تمہارے اقوال افعال قویٰ اور حواس میں
سرایت کر جائے گا۔ تمہاری عقل میں نور ہو گا۔ تمہارے فکر میں نور ہوگا۔
تمہاری آنکھ تمہارے کان تمہاری زبان اور بیان غرض تمہاری
ہر حرکت و سکون میں نور ہو گا۔

دوم۔ شرح صدر سے انسان میں قوت مقاومت
اور علمی استقامت پیدا ہوتی ہے قرآن مجید اس کو دوسرے
مقامات میں صبر سے تعبیر کرتا ہے اور استقامت کے ثمرات میں
نزول ملائکہ اور بشرات کا وعدہ دیتا ہے بلکہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ
مَعَ الصَّابِرِیْنَ۔ میں صبر کے متعلق اس کتاب میں دوسری جگہ
بحث کر آیا ہوں۔

الغرض ہر انسان کے لئے پہلی چیز منزل حیات کے طے
کرنے میں شرح صدر ہے اس کے ثمرات میں اللہ پر ایمان ہوتا ہے
شرح صدر والا اللہ کی طرف جھکتا ہے ذکر الٰہی کرتا ہے بہادر
اور مجاہد فی سبیل اللہ ہوتا ہے اُس کے اعضا اور جوارح لغو افعال

کا ارتکاب نہیں کرتے عجز اور کسل ان میں نام کو نہیں ہوتا۔ اور وہ ہر وقت کسی نہ کسی رنگ میں مخلوق کی بھلائی اور اللہ تعالےٰ کی عظمت کے اظہار اور دعا میں لگے رہتے ہیں۔

دوسرا جزو اس دعا کا یہ ہے کہ میرے فرائض منصبی کے راستہ میں جو روکیں ہوں ان کو آسان کر دیا جاوے۔ اس دعائے موسوی میں بڑی کامل ترتیب ہے۔ جب تک انسان حق کے بیان کرنے کے لئے ایک قوت اور حوصلہ نہیں پالیتا اور اس راہ میں آنے والی مشکلات کے لئے کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرتا وہ حق نہیں پہونچا سکتا اس لئے پہلے شرح صدر کو رکھا۔ اس کے بعد یسّر لی امری کا درجہ ہے ہر قسم کی آسانیاں اس تبلیغ کے لئے میسر آجاویں اور تمام ضروری سامان مہیا ہو جائیں۔

تیسرا جزو جو طبعی ہے یہ ہے کہ زبان میں قوت بیان ہو۔ بیان میں قوت دلایل ہو۔ دلایل میں تاثیر ہو۔ ان تینوں چیزوں کی موجودگی سے اظہار حق اور دعوت حق نتیجہ خیز ہوتی ہے پھر اسکے مستقل طور پر جاری رکھنے کے لئے رفقاء اور جماعت کی ضرورت ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اشتراک فی الامر کی دعا کرتے ہیں اور مقصد اس ساری دعا کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کا نام بلند کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اپنے اندر ایک پیشگوئی رکھتا ہے اس عظیم الشان نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جو مثیل موسیٰ ہو کر آنے والا تھا۔ اور آپ کا مقام و رتبہ اتنا بلند ہے کہ ساری نبوتوں کا جامع ہے اور خاتم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ رب اشرح لی صدری مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ نعمت آپ کے عالم وجود میں آنے کے ساتھ ہی عطا ہو جاتی ہے اور قرآن مجید اس کا دعویٰ کرتا ہے۔

الم نشرح لك صدرك

کیا ہم نے آپ کے سینہ کو نہیں کھول دیا پھر اس شرح صدر کی تفسیر آپ کی زندگی میں پڑھو کہ کسی طرح پر خطرناک مشکلات و مصائب میں آپ سینہ سپر رہے اور دنیا کی کوئی طاقت اور قوت آپ کے عزم کو نہ توڑ سکی۔

ہر شخص جو اس خصوص میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی پر نظر کریگا تو وہ دیکھے گا کہ آپ شرح صدر کے اس بلند مقام پر کھڑے ہیں جہاں کوئی دوسرا نہیں پہونچ سکتا۔

میں نے ابھی بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ دعا کرتے ہیں اور حضور کو یہ

نعمت ازل سے مل چکی تھی جیسے رب اشرح لی صدری اور الم نشرح لک صدرک کی ترکیب اور اسلوب میں فرق ہے ایسا ہی ان کے مفہوم اور نتیجہ میں فرق ہے اول الذکر گویا زینہ پر قدم رکھنا چاہتا ہے اور آخر الذکر مقام رفیع پر کھڑا ہے۔

اگر مجھے موضوع کتاب کے اختصار کا خیال نہ ہوتا تو میں اس لذیذ اور ایمان افزا مضمون کی شرح حضور کی زندگی میں دکھاتا کہ شرح صدر کی ایک زریں اور امٹ تصویر آپ کی عملی سیرۃ ہے میں نے کسی قدر تفصیل اس کی اپنے ترجمہ قرآن پارہ نمبر ۱۶ میں کی ہے جو صاحب چاہیں اس میں دیکھ سکتے ہیں اور ابلغ اور اکمل طور پر اسے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے۔

ایک ضمنی بات بد قسمتی سے حقایق پسند قوم عجوبہ پسند ہو کر رہ گئی ہے شرح صدر یا شق صدر کے معجزہ کو بڑی شان اور ندرت کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ معجزہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے اور مجھے دکھ ہوتا ہے کہ۔

حقیقت کو افسانہ سے بدل دیا

اس واقعہ سے انکار کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں البتہ جس

مادی رنگ میں پیش کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں گو میں یقین کر لیتا ہوں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چیرا گیا آپ کے دل کو صاف کر کے
رکھدیا گیا مگر باوجود اس کے بھی میں یہ کبھی نہیں مان سکتا اور نہ کسی کو
منوا سکتا ہوں کہ یہ اس قسم کا آپریشن تھا جسے آج ڈاکٹر کرتے ہیں۔
جس طرح یہ واقعہ معراج ایک کشفی رنگ میں آپ کی کامیابیوں
کی عظیم الشان پیشگوئیوں کا حامل ہے اس طرح یہ واقعہ شق صدر
اپنے اندر آپ کے بے شمار کمالات کو لئے ہوئے ہے۔ کشفی رنگ
میں آپ کو ایک نظارہ دکھایا گیا اور ایسے ممکن ہے حضرت حلیمہ سعدیہ
رضی اللہ عنہا کے بیٹے نے بھی دیکھا۔ اور یہ کشفی مشاہدات میں ہوتا ہے۔
مگر اس میں آپ کی آئندہ زندگی کا ایک زائچہ تھا۔ کہ آپ کو بڑے
بڑے مشکلات پیش آئیں گے مگر آپ ان سے گھبرا کر پیغام حق کی
دعوت سے نہ رکیں گے کسی قسم کا لالچ اور تخویف آپ کو نہ روک سکے
گی۔ دل میں دوسروں کے لئے اتنی وسعت ہوگی کہ ہر قسم کے
مظالم کرنے والوں اور مکہ سے نکالنے والے دشمنوں کے لئے بھی
رحم اور عفو کا اس قدر جوش ہوگا کہ وہ لا تثریب علیکم الیوم کہیں گے۔
اور فتوحات و اموال کی کثرت بھی اپنی طرف توجہ نہ کر سکے گی۔
داد و دہش سخا و عطا میں بادل سے زیادہ تیز ہونگے۔ کسی کے لئے

آپ کے سینہ میں کسی قسم کا بغض و کینہ یا جذبہ انتقام نہ ہوگا بلکہ آپ
ما ارسلناك إلا رحمة للعالمين کا مصداق ہونگے غرض شرح صدر
تو ایک دائمی اور زندہ اعجاز تھا جو دنیا کے بڑے سے بڑے
منکر اور دہریہ کو بھی منوایا جا سکتا ہے مگر بدقسمتی سے مسلمانوں
نے اسے ایک فسانہ بنا دیا انا للہ وانا الیہ راجعون اس آیتہ
میں جو میں نے پیش کیا ہے شرح صدر کی حقیقت کو سمجھو۔
اور نبیوں کے سردار پر درود پڑھو کہ اللہ اور اس کے فرشتے
بھی درود پڑھتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم

مکمل دعا یہ ہے۔ رب اشرح لی صدری

وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ
اَھْلِیْ ھٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ وَاَشْرِکْہُ فِیْ اَمْرِیْ کَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا
وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا۔

نوٹ:۔ اس کا ترجمہ صفحہ (۴۳) پہ دیا جا چکا ہے (عرفانی کبیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور دعا

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً

وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ؁ قَالَ قَدْ

اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ یونس پارہ گیارہ رکوع ۹ آیۃ ۸۹،۹۰)

(ترجمہ تفسیری) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے دعا کی اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں بڑے آرائش و آرام کے سامان دئے ہیں اور مالا مال کر دیا ہے مگر بار الٰہا اس عطا کا یہ مقصد تو نہ تھا کہ وہ دوسروں کو بھی تیری راہ سے گمراہ کریں۔ یہ مال و دولت نہ صرف ان کی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا باعث ہو گیا۔ اے ہمارے رب

تو ان کے اموال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کی زمین
پر حملہ آور ہو۔ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک
دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم دونوں کی دعا قبول ہو گئی۔
پس تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ پر نہ چلنا
جو نہیں جانتے۔

(نوٹ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دُعا کی حقیقت پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بد دُعا قرار دیا ہے کہ وہ فرعون اور اُس کے سرداروں کے اموال و اولاد کی ہلاکت کی بد دعا کر رہے ہیں مجھے افسوس ہے کہ قرآن کریم کے مطالب عالیہ پر غور نہیں کیا جاتا اور ایک فطرت سلیم اور قلب مطہر لیکر اُسکے معارف کے حصول کے لئے تڑپ موجود نہیں۔

یہ دُعا ہے بد دُعا نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کا پس منظر اگر دیکھا جائے تو یہ دعا سراسر رحمت اور فضل کی دعا ہے سنو! حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور اس کے امرا کی گمراہی کے اسباب کو پیش کرتے ہیں اور مومنانہ نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ عرض کرتے ہیں کہ اس زندگی کے لئے

راحت و آسایش کے سامان کی فراوانی تو مومن میں روح شکر پیدا کرتی ہے اور مومن اللہ تعالےٰ کی اس سنت پر ایمان رکھتا ہے کہ شکر سے انعام الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اگر انعام الٰہی کا کفر کیا جاوے یعنے وہ اصل مقصد حاصل نہ ہو تو پھر اس کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی ہوتا ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ۔

اور کیا تمہیں یاد نہیں کہ جب تمہارے رب نے یہ اعلان کیا تھا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں اپنی نعمتوں کو بڑھا دونگا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یاد رکھو میرا عذاب بھی شدید ہے۔

میں پھر اس کتاب کے پڑھنے والوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ قرآن کریم پر غور کرنے اور فکر کرنے کی عادت ڈالیں۔ دیکھو یہ آیتہ یا قانون الٰہی کہ شکر نعمتوں کے اضافہ اور ناشکری عذاب کا موجب ہوتی ہے۔ سورہ ابراہیم میں جہاں یہ آیتہ آئی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔

پس سورہ یونس میں مندرجہ دعا کو اس سے ملا کر دیکھو تو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بددعا نہیں کی انھوں نے

خدا تعالے کے قانون کو پیش کیا ہے کہ مومن تو خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور شکر کیا ہے اللہ تعالے کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر کرنا اور جس مقصد حقیقی کے لئے وہ عطا ہوئی ہیں اسی پر صرف کرنا۔ اور جو شخص اس طرح پر عبد شکور بنتا ہے اللہ تعالے اپنے انعامات کو بڑہا دیتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالے کے حضور میں یہی امر پیش کیا ہے کہ اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی ہر قسم کے آرام و آسایش کے سامان اور اموال عطا فرمائے مگر انھوں نے ان سے صحیح کام نہ لیا اور اس عطا کی قدر نہ کی بلکہ حق سے روکنے کا سامان بنالیا۔ اب جب کہ حق کی راہ میں یہ چیز روک ہوگئی ہے اور انھیں تیرے آستانہ کی طرف آنے نہیں دی تو اس روک کو دور کردے یہ اموال اور زینت کے سامان تباہ کردے تاکہ انکے دلوں میں خشیت پیدا ہو اور یہ رجوع بحق کریں۔

قرآن مجید نے خود عذاب کا فلسفہ اور مقصد یہی بیان کیا ہے لعلھم یتضرعون عذاب اس لئے آتے ہیں کہ ان میں تضرع اور ابتہال پیدا ہو اور وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ اور خود فرعون کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ عذاب آیا کہ وہ اور

اُس کے تمام سازو سامان موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں غرق ہوئے
اور خدا تعالےٰ کے عذاب کو اس نے اترتے دیکھ لیا تو

ایمان لے آیا

چنانچہ سورہ یونس میں اسی مقام سے (یعنے اس عمل کے بعد)
آیتہ ۹۰ و ۹۱ میں صراحت موجود ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا اور
فرعون اور اس کے لشکر نے موسیٰؑ کا تعاقب کیا اور انکا
یہ مقصد تھا کہ موسیٰؑ اور اُس کی قوم پر ظلم و عداوت کا مظاہرہ
کریں یہاں تک عذاب غرق اس پر وارد ہو گیا۔

تب اُس نے کہا کہ

میں ایمان لایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں
جسپر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی اس کے
فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

توحضرت موسیٰؑ نے ان کی خیر خواہی کے لیئے دعا کی تھی بددعا
نہ تھی ہاں دعا کا رنگ وہی ہے جیسے ایک بڑے خطرناک مرض میں
کوئی سخت تلخ دوا دی جائے یا نازک آپریشن کر کے جسم کو زہر پہلے

سے بچالیا جاوے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان

میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو پڑھتا ہوں تو ہر چند میں اس کا وہی مفہوم سمجھتا ہوں جو میں نے پیش کیا ہے تاہم اس کی ظاہری صورت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اسے بد دعا یا تنگ دلی کا نتیجہ کہا جاوے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ نہیں آیا۔ اس لئے آپ کی بعثت تو رحمتہ مجسم ہو کر ہوئی تھی ما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔

آپ کی زندگی میں بڑے بڑے نازک مرحلے پیش آئے طائف کا واقعہ ہی کیا کم تھا جس میں وہاں کے لفنگوں نے آپ پر پتھراؤ کیا اور لہولہان کر دیا مگر اس وقت بھی آپ نے ان کے لئے بد دعا نہ کی اور دعا کی تو یہ دعا کہ اے رب ان کو ہدایت کر یہ جاہل ہیں اور حقیقت سے بے خبر ہیں۔

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك وسلم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ۲

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو سمجھنے کے لئے اس کے متعلق ضروری حالات کا بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام امر رسالت کی تبلیغ میں فرعون اور اسکے سرداروں پر ہر طرح اتمام حجت کر چکے اور فرعون اپنے تمام منصوبوں اور مقابلوں میں عاجز آگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا اثر شروع ہوا۔ تو فرعون نے اپنے وزراء و ندماء سے یہ کہا کہ آخری تجویز یہی ہو سکتی ہے کہ خود موسیٰ (علیہ السلام) ہی کو قتل کر دیا جاوے۔

عاقبت نااندیش دنیا اور تاریکی کے فرزندوں نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں عاجز آکر آخری تجویز یہی سوچی مگر ان کو ناکامی ہوئی۔ فرعون نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جاوے۔

قرآن کریم نے سورہ مومن پارہ ۲۴ کے رکوع ۳ میں اس تفصیل کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ آیتہ نمبر ۲۷ میں ہے کہ فرعون نے کہا مجھے موسیٰ کو قتل ہی کرنے دو موسیٰ کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کو پکارے کہ وہ میرے قتل سے محفوظ رہ سکے۔ میں اس کو اس لئے قتل کر دینا چاہتا ہوں کہ

مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے یا کسی قسم کا فساد برپا کردے۔

قرآن مجید کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعونی چیلنج کی اطلاع ہوئی تب انھوں نے دعا کی۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ

میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ[1] چاہتا ہوں ہر اس متکبر سے جس کو یوم الحساب پر ایمان نہیں (نکتہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی موت کے خوف سے یہ دعا نہیں کی اس لئے کہ ایک عام مومن بھی موت سے نہیں ڈرتا بلکہ فرعون نے اپنی طاقت اور حکومت کے غرور میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ موسیٰؑ کو کہو کہ اپنے رب سے کہے کہ وہ اسکو

---

[1] قرآن کریم کی آخری سورتوں میں (جن کو معوذتین کہتے ہیں) استعاذہ کی تعلیم ہے۔ پناہ دو قسم ہوتی ہے ایک پناہ ہوتی ہے ہر قسم کے شر سے حفاظت کی یعنی ہمیں کوئی شر نہ پہنچے اور ایک پناہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی نیکی کا کام ہاتھ سے نہ جاتا رہے تو اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہی مقصد ہے کہ فرعون کے گزند سے محفوظ رہوں اور تبلیغ کے کام میں غفلت نہ ہو۔ (تفسیر کبیر)

قتل سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا سوال تھا۔
اور ایک قوم کے تباہ ہو جانے کا خطرہ سامنے تھا۔ اس لئے حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے کمال وثوق سے اس چیلنج کا جواب دیدیا کہ
میں اپنے رب کی پناہ چاہتا ہوں وہ کسی متکبر کو جو یوم الحساب
پر ایمان نہیں رکھتا مجھ پر مسلط نہیں کریگا میں اسکی پناہ میں ہوں۔
اور واقعات نے فیصلہ کیا کہ فرعون ناکام و نامراد رہا۔
وللہ الحمد۔

مردِ مومن کی دعا ۱۴

تمہیدی نوٹ

اس جگہ مرد مومن سے عام مومن مراد نہیں (اگرچہ ہر مومن
بھی دعا کرتا ہے جس کا میں ابھی ذکر کرونگا) بلکہ ایک خاص مومن
کا ذکر ہے یہ مومن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک
مومن تھا جو مومنانہ جرأت کے ساتھ فرعون کے مقابلہ میں
تائید حق کے لئے کھڑا ہو گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
لائے ہوئے پیغام صداقت کی تائید میں ایک بے نظیر خطاب
اتمام حجت کے لئے کیا۔ اس کی مناسبت سے قرآن کریم میں

سورۃ المومن ہے جس میں یہ دعا آتی ہے جس کی تشریح میں آگے چلکر کرتا ہوں۔ غرض اس مرد مومن نے فرعون کے مقابلہ میں کھڑا ہوکر اپنے دلائل وبراہین سے اس کا قافیہ تنگ کردیا۔ اس واقعہ سے صاف واضح ہے کہ جب انسان کے اندر بشاشت ایمانی پیدا ہوجاتی ہے تو وہ اظہار حق سے نہیں ڈرتا۔ اور نہ دنیا کی کوئی طاقت اس پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے سورۃ المومن کے پانچویں رکوع میں اس مرد مومن کا تذکرہ ہے میں اس رسالہ کے پڑھنے والوں کو کہونگا کہ وہ اس رکوع کو پڑھیں اور غور کریں پھر ان کو اس دعا کی عظمت معلوم ہوگی۔

یہ مومن فرعون کی قوم کا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا۔ اس نے اپنی قوم پر اتمام حجت کی۔ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ ایمان ایک زبردست قوت ہے جو غیر اللہ کے خوف کو دور کردیتا ہے اور ایک جرأت انسان کو عطا کرتا ہے صرف جرأت ہی نہیں بلکہ عامۃ الناس کے لیئے اس کے قلب میں ہمدردی اور خیرخواہی کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ وہ مخلوق الٰہی کو ایسے راہ پر نہیں لے جاتا جو خطرہ کی راہ ہو۔ چنانچہ مومن آل فرعون کہتا ہے۔

یٰقوم اتبعون اھدکم سبیل الرشاد (سورۂ مومن آیہ ۳۸)

اے میری قوم! میری پیروی کرو کہ میں تمہیں ٹھیک کی راہ دکھاؤنگا
سبیل الرشاد سے وہی راہ مراد ہے جو سراسر ہدایت
اور بھلائی کی راہ ہے لفظ رشاد دینی دنیوی ہر قسم کی
بھلائیوں اور خوبیوں کا جامع ہے۔

مومن آل فرعون پھر اپنی قوم کو فلسفہ جزائے اعمال پر توجہ دلاتا ہے کہ جزا و سزا کے مسئلہ پر ایمان انسان کو نیک بنا دیتا ہے جب انسان یقین کرتا ہے کہ اعمال بد کا نتیجہ بد ہوگا تو حتی الوسیع ان سے بچے گا۔ اور نیکیوں کی طرف متوجہ ہوگا اس لئے مومن آل فرعون نے دنیا کی بے ثباتی اور جزا و سزا کا فلسفہ انہیں سمجھایا اور اس طرح پر اپنی قوم کو یہ بھی بتا دیا کہ تمہاری بداعمالیاں تم کو مورد عذاب بنا دینگی اور تم ناکام رہوگے۔

امتیاز دعوت پھر مومن آل فرعون اپنی اور فرعونیوں کی دعوت میں امتیاز کو پیش کرتا ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔ اس دعوت کے امتیاز میں بھی وہ اشارہ کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام

اس کے متبعین تو نجات پا جائیں گے اور تم اس کے مقابلہ میں ہلاک ہو جاؤ گے پھر اس پیشگوئی کو اور بھی قوت سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے جانتے ہو۔

أَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ

میں تمہیں العزیز الغفار خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ العزیز کے معنے ہیں غالب۔ مقتدر۔ معزز۔

پس جو شخص ایسے خدا پر ایمان لاتا ہے وہ یقیناً غالب اور مقتدر ہو گا۔ پھر اپنی اس دعوۃ کی مزید قوت کا اظہار انکی دعوت کی کمزوری اور بے ثمری کو پیش کر کے غیرت دلاتا ہے کہ تمہارے معبود تو ایسے ہیں کہ دنیا و آخرۃ میں ان کی کوئی دعوت نہیں۔ اور ہم کو تو اللہ تعالیٰ ہی کے حضور جانا ہے یاد رکھو کہ۔

حد سے گذرنے والوں کا ٹھکانا تو جہنم ہی ہے

وقت آتا ہے کہ تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔

ظاہر ہے کہ جب اس قسم کی کھلم کھلا تبلیغ اور انذار مرد مومن نے کیا تو اس کی قوم کا غصہ اور غضب کس قدر بھڑکا ہو گا لیکن مرد مومن اس وقت ان کی طاقت اور قوت کو دیکھتے ہوئے تفویض الی اللہ

کی دعا کرتا ہے اور کہتا ہے۔

(دعائے تفویض)

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ

(سورہ مومن آیۃ ۴۴)

تم کو اپنی طاقت اور جمعیت پہ بھروسہ ہے تم اپنے سارے منصوبے اور مکاید میرے خلاف استعمال کر لو۔ مجھے خطرہ نہیں اس لئے کہ میں تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور میرا یقین ہے کہ یقیناً اللہ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔

یہ وہ دُعا ہے جو مومن کو تفویض کا سبق دیتی ہے۔

جب انسان کلیتہً اللہ تعالےٰ پر توکل کرتا ہے تو وہ خوف اور حزن کے مقام سے بلند ہو جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے مشکلات سے نجات پا جاتا ہے چنانچہ اسی مقام پر اللہ تعالےٰ اس دعا کی قبولیت کا اظہار فرماتا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ

یعنی اللہ تعالےٰ نے اس مرد مومن کو فرعونیوں کی مخالفانہ تدبیروں کے نقصان سے بچا لیا اور فرعونیوں پر عذاب الٹ پڑا۔

یاد رکھو یہ دُعا ایک عظیم الشان دعا ہے اور دعائے تفویض ہے۔ لیکن مومن اسوقت تک مقام تفویض کو نہیں پا سکتا جبتک

وہ اس پیغام حق کو جسے اس نے قبول کیا ہے پوری قوت اور ہمت سے دوسروں تک نہیں پہونچاتا۔ اور اس راہ میں ہر قسم کی مشکلات کے مقابلہ کے لئے اپنے دل میں فیصلہ نہیں کرلیتا۔ تب اس کی یہ دعا کبھی بے نتیجہ نہیں رہ سکتی۔ اس کے منہ سے افوض امری الی اللّٰہ ایک حقیقت بن کر نکلتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو ایک لاش کی طرح ڈال دیتا ہے اس وقت

وہ خدا کا ہوتا ہے اور خدا اسکا ہوتا ہے

بینے مرد مومن کی دعا کو موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کے سلسلہ میں اس نے درج کر دیا ہے کہ یہ انہیں کے عصر سعادت کے ایک واقعہ سے تعلق رکھتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو دعا اوپر درج کی ہے وہ تعوذ ہے اور یہ مرد مومن کی دعائے تفویض ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تو خدا کے نبی تھے اور انکے یقین کا مقام بہت بلند تھا مگر مرد مومن کی ایمانی کیفیت قابل رشک ہے۔ ان دونوں دعاؤں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تعوذ اور تفویض کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر کامل یقین ضروری ہے۔ اور وہ ایمان کامل اپنے ثمرات میں ایک نشان بن جاتا ہے۔

اللّٰھم ارزقنا من حلاوۃ الایمان والایقان

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا مقابلہ کرنیوالے ساحروں کی دُعا ۹/۵

تمہیدی نوٹ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب منصب نبوۃ پر فائز ہو کر حسب الارشاد حضرت عز اسمہ پیغام حق لیکر فرعونی دربار میں پہونچے اور انھوں نے فرض رسالت کو ادا کیا تو فرعون اور اس کے عمایدوارکان دولت نے ہر طرح انکار کیا بالآخر یہ سمجھ کر کہ یہ نعوذ باللہ عرف عام کے لحاظ سے جادوگر ہیں ان کے مقابلہ کے لئے تمام مملکت کے سرآوردہ اور اپنے فن میں ماہر جادوگروں کو جمع کیا اور میدان مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبل مقابلہ ایک تقریر کی اور جادوگروں اور حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا

اللہ پر افترا نکرو۔ ورنہ وہ تم کو عذاب سے تباہ کردیگا اور مفتری تو نامراد ہی رہتا ہے (سورہ طٰہٰ آیت ۶۴)۔

موسیٰ علیہ السلام کے اس خطاب اور اتمام حجت میں ایک قوت دنا تیز تھی۔ ساحروں پر اس تقریر کا اثر ہوا اور انھوں نے آپس میں باہم مباحثہ کیا۔ فرعونیوں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ کچھ مقابلہ سے گریز کر رہے ہیں تو ایک سیاسی حربہ استعمال کیا اور کہا یاد رکھو۔

یہ دونو (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) جادوگر ہیں آپنے
جادو کی قوت سے تم کو تمہارے ملک سے نکالدینا چاہتے
ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس طرح پر تمہاری تہذیب
تمدن اور تمہارے مذہب کو برباد کریں۔

اس طرح پر ان کو جوش دلا کر مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔
اگرچہ یہ شعبدہ باز اندر سے کہاٰئے جا چکے تھے لیکن حکومت کے خوف
سے وہ مقابلہ پر اترے۔

چونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سے متاثر ہو چکے
تھے اس لئے انھوں نے بجائے کسی قسم کی مشیخت نمائی کے آداب کے
طریق کو ملحوظ رکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا آپ پہلے وار کرتے
ہیں یا ہم اپنا کمال فن دکھائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا
تم ہی وار کرو۔ چنانچہ انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان
میں پھینک دیں جو تخیل سے متحرک نظر آئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کو خیال گزرا کہ اس شعبدہ بازی سے گمراہ نہ ہو جائیں اللہ تعالےٰ نے
اپنی وحی سے ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ اپنی لاٹھی مارو چنانچہ
لاٹھی کا مارنا تھا کہ تمام راز طشت از بام ہو گیا اور ساحروں کو
اپنی حقیقت معلوم ہو گئی۔ وہ پہلے سے ہی متاثر تھے اس نمایاں نشان کو

دیکھکر سجدہ میں گر گئے اور پکارے۔

آمنا برب موسیٰ وہارون

ہم اس رب پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔
یہ ایک کھلی کھلی فتح تھی اس مقابلہ میں فرعون کو شکست فاش ہوئی اور اب اسے خطرہ ہوا کہ لوگ اس سے متاثر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر لیں گے چنانچہ اس نے ساحروں کو ڈانٹا اور خطرناک سزا کا خوف دلایا مگر حق میں ایک قوت ہے جب وہ کسی انسان کے دل میں داخل ہو جاتا ہے تو کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی وہی ساحر جو مقابلہ سے پہلے انعام واجر کا مطالبہ کرتے تھے اب قبول حق کے بعد فرعون جیسے بادشاہ کو عذاب کا خوف دلانے پر جواب دیتے ہیں۔

فاقض ما انت قاض انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا
(سورہ طٰہٰ آیت ۷۲)

جو تم کرنا چاہتے کر گذرو ہم کو اس کی پرواہ نہیں تم اس سے زیادہ کر ہی کیا سکتے ہو کہ ہماری زندگی کو ختم کر دو۔

یہ انقلاب ان میں ایمانی قوت نے پیدا کر دیا اور اپنی جان کو

اس راہ میں قربان کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ جب بشاشت ایمانی ان میں پیدا ہوگئی تب اس ایمان کے بعد انھوں نے دعا کی اس دعا کے سمجھنے کے لئے میں نے یہ تمہیدی نوٹ لکھا ہے۔ ان واقعات میں مختلف قسم کے حقایق اور عبر ہیں اور مومن ان سے سبق لے سکتا ہے تفصیل کے لئے میرے ترجمہ القرآن پارہ ۱۶ کو پڑھو۔
(عرفانی کبیر)

ساحروں کا اقرار بزنگ دعا

فرعون کو اس کی تہدید کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا۔

انا امنا بربنا لیغفر لنا خطیانا وما اکرھتنا علیہ من السحر واللہ خیر وابقی۔ (سورہ طہٰ رکوع ۔)

یعنے ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کردے اور اس جادو کی شعبدہ بازی کے مقابلہ کو بھی معاف کردے جس پر اے فرعون تو نے ہم کو مجبور کردیا اللہ ہی سب سے بہتر اور بالآخر اس کو بقا ہے۔

نوٹ۔ سورہ شعرا میں اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی آیا ہے کہ ساحروں نے فرعون سے خطاب کر کے کہا کہ تیرے

عذاب کی دہمکی ہمارے لئے کسی نقصان کا موجب نہیں ہو سکتی۔ لاریب ہم اپنے رب ہی کی طرف جانے والے ہیں اور دیکھو اللہ تعالےٰ سے ہی اُمید ہے کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اسلئے کہ ہم اول المومنین ہو گئے ہیں۔

مومنین موسیٰ علیہ السّلام کی دُعا

تمہیدی نوٹ

موسیٰ علیہ السلام کے اس میدان مقابلہ میں کامیابی کا نتیجہ حسب مراد ہوا۔ یہی نہیں کہ ساحر ایمان لے آئے بلکہ اسرائیلی نوجوانوں میں سے ایک جماعت ایمان لے آئی گو ان میں ابھی وہ قوت ایمانی پیدا نہ ہوئی تھی جس کا مظاہرہ ساحروں نے کیا تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکی ایمانی اور روحانی قوت کو بڑھانے کے لئے انہیں اس راستہ کی رہنمائی کی جو اللہ تعالےٰ کی تائید اور نصرت کا جاذب اور قلبی اطمینان و سکینت کا موجب ہے چنانچہ ان کو کہا استعینوا باللہ واصبروا الایتہ اللہ تعالیٰ کی مدد مانگو اور اپنے اندر قوت مقابلہ پیدا کرو اس سے استقامت کی نعمت ملیگی۔

اور اپنا کامل توکل اللہ تعالےٰ ہی کی ذات پر رکھو۔
چنانچہ سورہ یونس رکوع ۹ آیتہ (۸۵ و ۸۶) میں اس تعلیم و تلقین اور ان کی دعا کا ذکر ہے۔

(آیتہ ۸۵) وقال موسیٰ لقومہ ان کنتم امنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین

اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے لوگو! اگر تم فی الحقیقت اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے ہو اور اس کی سچی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہو تو تمہیں چاہئے کہ صرف اس پر بھروسہ کرو۔
اس کے جواب میں انھوں نے کہا۔

(آیتہ ۸۶) فقالوا علی اللہ توکلنا ؎ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین

۵ ونجنا برحمتک من القوم الکفرین ۵

یعنی انھوں نے اپنے عمل سے بتایا کہ ہم اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں اور اس کے حضور دعاؤں میں لگ گئے کہ
اے ہمارے رب ہمیں ان ظالم لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم کے مظالم سے نجات بخش۔

یہ وہ دُعا ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے کی ہمکو ظالم لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب نہ بنا اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں ہم سستی اور کمزوری کا مظاہرہ نہ کریں اور یہ بھی کہ ہمارا کوئی قول و فعل ایسا نہ ہو جس سے دشمنوں کو اسلام پر حملہ کرنیکا موقع ملے۔ اور یہ بھی کہ ہم کو ظالم قوم کے مظالم کا تختۂ مشق نہ بنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے اور بھائی کیلئے دُعا ہے!

تمہیدی نوٹ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وحی کی تعمیل میں تیس[30] دنوں کے لئے پہاڑ پر گئے تھے تاکہ دعاؤں اور ذکر الٰہی سے کشود کار کے لئے صراط مستقیم حاصل ہو اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیل کے لئے دس راتوں کا اور اضافہ فرما کر پورے چالیس دن کا قیام مقرر کر دیا۔ اس اثنا میں موسیٰ کی قوم میں ایک فتنہ پیدا ہوا۔ کہ گوسالہ پرستی کی تحریک سامری نے کی۔ اس تحریک کے اسباب اور تفصیلات میں جانا اس وقت زیر نظر نہیں صرف اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ بابل اور مصر میں بھی گائے کی پرستش ہوتی تھی جیسا کہ ہندوستان میں ہوتی ہے۔ اور بنی اسرائیل بھی اس سے مانوس تھے ایک رسمی طور پر

اس لئے یہاں ان کی پرانی مرض عود کر آئی اور سامری نے ایک مورتی بنا دی جس میں سے آواز آتی تھی۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں لیکن ندرت پسند لوگ ہر اس چیز کو جس کو پہلے نہ دیکھا ہو ایک مافوق الفطرت شئے سمجھ لیتے ہیں۔ سامری مصری مندروں کی شعبدہ بازیوں سے واقف تھا اس نے ایسا بچھڑو بنا دیا جس میں سے آواز نکلتی تھی۔ اور حقایق سے ناآشنا احمقوں نے اسے معبود سمجھ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے تو قوم کو

اس شرک عظیم میں مبتلا پایا

یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کے نبی تو شرک کو بنیاد سے مٹا دینے کو آتے ہیں اس لئے اِنَّ الشرکَ لظلمٌ عظیم کہلاتا ہے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو اس میں مبتلا پایا تو ان کو کس قدر غصہ آیا ہوگا۔ اور سب سے زیادہ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر برسے لیکن جب ان کے عذرات اور تفصیلی حالات کو سنا تو آپ کے غصہ کا رخ سامری کی طرف ہوا۔ یہ تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات میں آئی ہے میں قارئین کرام کو سورہ اعراف پارہ (۹)، رکوع ۱۸ کی طرف توجہ دلاتا ہوں اسے پڑھیں۔

اس میں صراحت سے بتایا ہے کہ ان احمقوں نے اسے معبود بناتے وقت اتنا بھی نہ تو سوچا کہ وہ نہ تو ان سے بات کرتا ہے اور نہ کسی قسم کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس سے ایک نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے کی ہستی اور معبود ہونے کا یہ ایک ثبوت ہے کہ

وہ کلام کرتا ہے

آخر جب اپنی حماقت کا انھیں علم ہوا تو انھوں نے اللہ تعالٰے کے حضور میں عرض کیا۔

لئن لم یرحمنا ربنا ویغفر لنا لنکونن من الخاسرین (سورہ اعراف)

اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہماری اس خطا کو معاف نہ فرمایا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔
یہ شعور ان میں پیدا ہو گیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر تمام حقیقت کھل گئی اور حق واضح ہو گیا تب اہل مجرم کو مقاطعہ قومی کی سزا دی گئی۔ اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی کیلئے دعا کی۔

رب اغفر لی ولاخی وادخلنا فی رحمتك وانت ارحم الراحمین
(سورہ اعراف رکوع ۱۸)

اے میرے رب میری پردہ پوشی فرما اور میرے بھائی کی
بھی خطا بخش ہم کو اپنی رحمت میں داخل کر اور حضور تو ارحم الراحمین
ہیں (تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے
ہیں آپ سے بڑھ کر کوئی رحم نہیں کر سکتا)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ایک اور دعا [12]

تمہیدی نوٹ

گوسالہ سامری کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی واپسی پر تحقیقات کر کے امر فیصل صادر کیا اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا آپ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کیا ان کو لیکر طور پر گئے وہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہولناک رنگ میں ہوئی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور دست دعا دراز کیا۔

اے میرے رب اگر تو چاہتا ان سب کو اور مجھے بھی
پہلے ہی ہلاک کر دیتا (مگر تو نے اپنے فضل و رحم سے ہم کو
مہلت دی) پھر کیا تو ایک ایسی بات کے لئے جو ہم میں سے
بعض بے وخوف کر بیٹھے ہیں تو ہلاک کر دیگا؟ یہ تیری

طرف سے ایک آزمائش ہے تو جس کو چاہے اس میں
بھٹکا دے اور جسے چاہے راہ نمائی کر دے۔
اس دعائیہ تمہید کے بعد آپ نے دست دعا کو دراز کیا
اور یوں دعا کی (عرفانی کبیر)

دعائے موسیٰؑ ۱۳/۹ (سورۂ اعراف رکوع ۱۹)

انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین ٥

واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ انا ھدنا الیک
اے ہمارے رب تو ہی ہمارا والی ہے پس ہماری کوتاہیوں کو
معاف فرما اور ہم پر رحم فرما اور حضور سے بہتر بخشنے والا
کوئی نہیں۔
اور اے ہمارے رب اس دنیا کی زندگی میں بھی ہمارے لئے
حسنات کو لکھدے اور آخرۃ کی زندگی میں بھی ہم تیری طرف
ہی رجوع کرتے ہیں۔
اس دعا کی قبولیت کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اس سے
آگے کی آیات پر غور کرو۔ اس میں قبولیت دعا کا مستحق بننے کے لئے

بعض شرائط اور اعمال کا ذکر کیا گیا ہے کہ حسنات الدنیا و حسنات الاخرہ کی دعا کن کے حق میں قبول ہوتی ہے۔

(۱) جو متقی ہوں (۲) زکوٰۃ ادا کرتے ہوں (۳) آیات اللہ پہ ایمان لانے والے ہوں اور حسنات الدنیا والاخرۃ کے وارث ان صفات کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوۃ پر ایمان لانے والے ہوں جن کی بشارات تورات اور انجیل میں موجود ہیں۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ کی دعا بھی آئی ہے یہاں اس حقیقت کو بیان کر دیا ہے کہ اس دعا کی قبولیت کیلئے ان اعمال کا عامل ہونا ضروری ہے۔ اللھم ارزقنا منہ آمین

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور دعا ۱۴۲/۱

تمہیدی نوٹ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم پر کامل تمام حجت کی اور بالآخر اپنی قوم کو لے کر مصر سے ہجرت کی۔ فرعون نے اپنی جمعیت کو لیکر تعاقب کیا۔ اور بالآخر موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے متبعین سمندر کے پار ہو گئے اور فرعونی غرق ہو گئے۔

اور خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق فرعون کی لاش محفوظ ہو گئی جو آج بھی مصر میں قرآن مجید کی صداقت کا ثبوت ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لیکر ارض مقدس کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ قوم ہر روز خدا تعالےٰ کے تائیدی نشانات اور آیات کو دیکھتی تھی باوجود اس کے ضعیف الایمان تھی (الا ماشاء اللہ) قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ ان تمام امور کا ذکر ہے۔

غرض حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لیکر جا رہے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا ارض مقدس کو حاصل کریں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اس وعدہ کی تجدید ہو چکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو ارض مقدس میں جانے کے لئے تیاری کا حکم دینے سے پہلے بارہ آدمیونکو تفتیش حالات کے لئے بھیجا وہ فلسطین میں داخل ہوئے اور واپس آ کر کہا کہ وہ لوگ بڑے سخت اور جابر ہیں۔ باوجود منع کرنے کے اپنی قوم کو بھی مخفی طور پر انھوں نے اس سے آگاہ کیا جس سے صدیوں کی غلام قوم کی ہمت ٹوٹ گئی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں داخلہ کے لئے حکم دیا تو انھوں نے نہایت بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ کیا اور کہا موسیٰ! وہاں تو بڑے

جبّار و سرکش لوگ ہیں ہم تو وہاں نہیں جائیں گے جب تک وہ نکل نہ جاویں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو کامل فرمانبرداروں نے ہر چند ہمت دلائی مگر انھوں نے قدم آگے بڑھانے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ نہایت گستاخانہ جواب دیا کہ

تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور جا کر لڑو ہم تو یہاں سے ٹلنے کے نہیں

ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کے اس جواب کا کیا اثر ہوا۔ وہ نابکار قوم جو خدا تعالےٰ کے آیات بینات کو دیکھ چکی تھی۔ اس قسم کا جواب دیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفقت و ہمدردی کے جذبہ کو کھو بیٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت تاسف ہوا اور انھوں نے جناب الٰہی میں دعا کی۔

رَبِّ اِنِّی لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِی وَاَخِیْ
فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ

اے میرے رب میں صرف اپنی ذات اور اپنے بھائی کے سوا کسی کا مالک (ذمہ دار نہیں ہوں) پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم میں تفریق کر دے۔

خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو قبول کر لیا اور

ارض مقدس کا وعدہ چالیس سال پیچھے جا پڑا۔ چالیس سال تک وہ قوم بھٹکتی رہی اور آخر جب اس نسل کے لوگ فوت ہو گئے تو نئی نسل کے ذریعہ وہ وعدہ پورا ہوا۔

قابل یاد نکتہ حضرت موسیٰؑ اور آپ کی قوم کا ذکر تمام انبیا علیہم السلام کے واقعات کے مقابلہ میں بڑی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل موسیٰؑ تھے اور یہودیوں میں جس قسم کی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں وہ مسلمانوں پر بھی ایک وقت ایسا آنے والا تھا کہ وہ یہودیوں کے نقش قدم پر چلیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے تنبیہات کے طور پر ان واقعات کو بیان کر دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعض دعاؤں کا اجمالی ذکر ؁ ۱۱

قرآن کریم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعض دعاؤں کا اجمالی تذکرہ بھی معلوم ہوتا ہے اگرچہ ان دعاؤں کے الفاظ نہیں دئے گئے لیکن غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں یہ دعائیں کچھ تو قوم کے افراد کے استفسارات پر تھیں اور کچھ حالات پیش آمدہ کے لحاظ سے اور بعض فرعون کی درخواستوں پر۔ مثلاً قوم کو دوران سفر میں

پانی کے نہ ملنے کی مشکلات پیش آئیں تو حضرت موسیٰؑ نے دعا طلب آب کی اور پانی کے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ جب بھی کوئی قومی مصیبت اور مشکل پیش آئی تو آپ دعا کرتے رہے۔

اور فرعون اور اس کی قوم پر جب مختلف قسم کے عذاب بطور نشان آنے لگے تو وہ ہر موقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کیلئے کہتا کہ دعا کرو یہ عذاب ٹل جاوے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر عذاب ٹل جاتا مگر وہ پھر اپنے مسلک کو ترک کر کے حق قبول نہ کرتا۔ پھر کسی دوسری قسم کا عذاب نازل ہوتا پھر استدعا کرتا۔ یہ بھی متعدد مرتبہ ہوا۔ بالآخر جب ان آیات بینات سے اس قوم نے فائدہ نہ اٹھایا تو خدا تعالیٰ نے ان کو غرق کر دیا۔

اور خود بنی اسرائیل کے لئے مختلف انعامات کیلئے مختلف مواقع پر بے شمار دعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شرف قبولیت بخشا۔ لیکن اس قوم نے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور وہ ارض مقدس کی بشارت کی وارث نہ ہو سکی یہاں تک کہ وہ نسل ختم ہوئی اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بھی فوت ہو گئے ان کے بعد دوسری نسل حضرت یشوع بن نون کی سیادت میں فائز المرام ہوئی۔

(عرفانی کبیر)

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا

(فیصلہ آسمانی کیلئے)

تمہیدی نوٹ

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت قبیلہ مدین کی طرف ہوئی ان کی بستی کا یہی نام تھا یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا اور مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی قطورہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا اس لئے یہ خاندان بنی قطورہ کہلاتا ہے۔ یہ قبیلہ ایک شاداب و سرسبز مقام پر آباد تھا۔ اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے امتداد زمانہ اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان کی مذہبی اور اخلاقی حالت تباہ ہوچکی تھی اور معاملات میں نہایت ہی ذلیل حرکات کرتے تھے انکی اصلاح کے لئے اللہ تعالٰے نے حضرت شعیب کو مبعوث فرمایا۔ قرآن مجید نے قرآن مجید کی سورہ اعراف ہود۔ شعرا اور حجر اور عنکبوت میں انکا ذکر فرمایا ہے ان مقامات کو مجموعی طور پر پڑھنے سے اس ملک اور قوم کی مذہبی اخلاقی اور معاشی حالت کا پورا پتہ چلتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں مذہب کی بنیادی اصلاح توحید کی طرف دعوت دی مگر اُنھوں نے پروانہ کی اور آبائی تقلید کو ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ سنت اللہ کے موافق کچھ لوگوں نے دعوت شعیبؑ کو قبول کیا۔ آخر اس قوم کے عمائد نے حضرت شعیب اور آپ کے متبعین کو کھلا کھلا چیلنج دیا جو پارہ (۹) کے شروع میں ہی درج ہے۔ انھیں اپنی قوت اور اتحاد پر اعتماد تھا اس لئے قوم کے سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا کہ۔

شعیبؑ! دو باتوں میں سے ایک بات ہی ہوسکتی ہے یا تو ہم تجھکو اور تیرے متبعین کو اپنی بستی سے نکال دیں گے اور یا ہم تم کو پھر اپنے دین میں واپس آنے پر مجبور کر دیں گے۔

حضرت شعیبؑ نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے دو وجہ سے اولاً ہم نے اس کو باطل سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اور ہم اس سے بیزار ہیں اور اگر تمھارے ظلم کے خوف سے ایسا کریں تو اپنے ہاتھ سے اس ربانی صداقت کے خلاف مہر کرنے والے ٹھہریں گے پھر یہ سمجھا جائیگا کہ ہم نے خدا تعالےٰ پر افترا کیا تھا (نعوذ باللہ) اس لئے جس باطل سے اس نے ہمیں نجات دی تھی اسے قبول کر لیا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہاں میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں

کہ جب مومن حقیقی طور پر پیغام حق کو قبول کر لیتا ہے پھر دنیا کی کوئی قوت اور کسی قسم کا لالچ یا خوف اس کو متاثر نہیں کر سکتا بلکہ مومن کے دل میں خوف پیدا ہی نہیں ہوتا۔

غرض جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی مخالف قوم کا جواب دیدیا تب انھوں نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی مشیت کے ماتحت ہوں جو وہ چاہے گا ہوگا۔ اور یہ کہکر اللہ تعالے کے حضور دعا کی جو ذیل میں درج کیجاتی ہے (عرفانی کبیر)

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔ (سورہ اعراف پارہ ۹)

ہمارے رب کا علم ہر چیز پر وسیع ہے۔ ہمارا تو اللہ تعالٰے ہی پر بھروسہ ہے (نہ اپنی کسی تدبیر پر نہ کسی دوسرے اسباب پر) اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم میں حق و صداقت کا فیصلہ فرما۔ تو ہی تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہ دعا ہمیں سبق دیتی ہے کہ انسان کو اپنی تدبیروں اور اسباب کو اپنا مرکزی نقطہ نہیں بنانا چاہئے تدابیر اور اسباب تو

انسان کے لئے ایک قدم اٹھانے کے لئے ہے اصل نصرت اور فتح اور کشود کار اللہ تعالے ہی کے فضل پر موقوف ہے اور دوسرے اس دعا کے لئے پہلے خود اپنے اندر ایک عزم اور استقلال پیدا کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید کے اس مقام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی سرداران قوم جو شعیب علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو خارج البلد کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کے عزم کو جنبش نہیں ہوئی تو انھیں ہمت نہیں ہوئی کہ اپنے اس چیلنج کو دہرائیں یا اس پر کوئی قدم اٹھا سکیں بلکہ ان پر اس قدر رعب چھا گیا کہ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا خیال چھوڑ کر اپنی قوم کو کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو اگر تم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو تم بڑے خسارے میں ہو گے۔ آخر خدا تعالے سے جو فیصلہ چاہا گیا تھا وہ صادر ہو گیا اور اللہ تعالےٰ نے شعیبؑ اور اس کے متبعین کو آنے والے عذاب سے محفوظ کر کے انکی سچائی اور منکرین کی ہلاکت سے ان کی صداقت پر مہر کر دی یہ ہے ثبوت اس دعا کی قبولیت کا۔ وللہ الحمد۔

حضرت نوح کی دُعا ۱۷/۱۴

تمہیدی نوٹ

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آدمؑ کے بعد پہلے نبی ہیں جن کا قرآن کریم ذکر کرتا ہے اور قرآن کریم کا یہ طریق بیان ہے کہ وہ کوئی مسلسل تاریخ بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے مدنظر بصائر و نظائر اور وعظ و تذکیر کے علاوہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش آنے والے واقعات کو بطور پیشگوئی بیان کرنا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان واقعات میں بعینہٖ وہی رنگ ہو بلکہ مقصد روح تذکیر ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کے ۲۳ مقامات پر کیا ہے اور ایک مستقل سورہ سورہ نوح کے نام سے ۲۹ ویں پارہ میں موجود ہے اور یہ مکی سورہ ہے۔ مکہ معظمہ میں اس سورہ کا نزول بتاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا واقعہ دراصل سے

خوشتر آں باشد کہ راز دلبراں ٭ گفتہ آید در حدیث دیگراں

کا مصداق ہے نوح کی قوم بھی بت پرست تھی اور اہل مکہ بھی۔

اس لئے ان کو نوحؑ کے واقعہ میں بتایا کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اچھا نتیجہ پیدا نہ کریگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے رفقاء ہر قسم کی مخالفتوں اور ابتلاؤں کے باوجود کامیاب ہو جائیں گے اور آپ کے مخالفوں کے لئے اگر توبہ نہ کی ہلاکت مقدر ہے۔

مختلف مقامات پر حضرت نوحؑ کے واقعات کا بیان اپنے اندر علوم و حقایق رکھتا ہے۔ اور مجھے یہاں صرف حضرت نوحؑ کی دعا کا ذکر کرنا ہے۔ تاہم مختصراً بعض امور کا بیان کر دینا اس لئے ضروری ہے کہ قارئین کرام کو قرآن کریم سے دلچسپی اور محبت پیدا ہو۔

(۱) سب سے اول سورہ آل عمران پارہ سوم کی آیتہ ۳۴ میں حضرت نوحؑ کا ذکر کیا اور یہاں صرف اس مقصد کو بیان کرنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے نبی نہیں بلکہ جب سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا یا دنیا کا تمدنی دور شروع ہوا اسی وقت سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ آدم نبی ہوئے پھر ان کی نسل سے نوحؑ اور ابراہیم۔ آل عمران علیہم السلام اجمعین۔

(۲) پھر سورہ النساء پارہ ۶ رکوع ۲۵ آیتہ ۱۶۳ میں ذکر کیا اور یہاں بھی اس استقرا کا ذکر فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہے۔ چنانچہ آیتہ کو اس طرح پر شروع ہوئی۔ ہم نے تیری طرف

اس طرح وحی کی ہے جس طرح پر ہم نے نوح اور دوسرے نبیوں پر وحی کی۔

(۳) سورہ انعام پارہ ۸ آیتہ ۸۵ میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ذکر فرمایا ان میں حضرت نوحؑ کا نام بھی لیا اور اسی سلسلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل نبوۃ کے طور پر پیش کیا۔

(۴) سورہ اعراف پارہ ۸ رکوع ۸ آیتہ ۶۰ میں حضرت نوح کی بعثت ان کی دعوت حق اور سرداران قوم کا انکار و استہزا حضرت نوحؑ کا انذار اور اپنے مقصد رسالت کی صراحت باوجود اس کے منکرین کے اشتداد و انکار کی وجہ سے بالآخر عذاب نازل ہوا اور وہ ہلاک ہوئے اور نوح علیہ السلام اور آپ کے متبعین بچا لئے گئے۔ اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے لئے انذار اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کا تذکرہ حدیث دیگران کے رنگ میں ہے۔

(۵) سورہ توبہ پارہ ۱۰ آیتہ ۷۰ میں اسی رنگ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ پر استدلال کیا۔

(۶) سورہ یونس پارہ ۱۱ رکوع ۸ کے ابتدا ہی میں حضرت نوحؑ کے واقعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ کو پڑھ سنانے کی وحی ہوئی۔ اور حضرت نوحؑ

نے اپنی قوم پر جس قوت و استقلال سے اپنے دعویٰ کو پیش کیا ہے
وہی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین و مخالفین کے لیئے
تحدی اور دلیل صداقت ہے حضرت نوحؑ اپنی قوم کے منکرین و
مخالفین کو کہتے ہیں۔

اے میری قوم اگر تمہیں میرا خداداد مقام اور منصب رسالت
اور میری دعوت جس کے ساتھ آیات اللہ ہیں تمہیں ناگوار گزرتا ہے
دیکھو میرا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے تم اپنے شرکاء کو جمع کر لو۔
اور میرے خلاف جو منصوبہ چاہو اس پر عزم کر لو۔ ایسے طور پر کہ
تمہیں اپنی تجویز و منصوبہ اور اس کے پورا کرنے کے وسایل میں
ذرا بھی شبہہ نہ رہے اور اپنی اس تجویز و منصوبہ کو مجھ پر نافذ کر دو
اور مجھے مہلت بھی مت دو اس زبردست تحدی میں بھی دراصل
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین اور معترضین پر اتمام حجت ہے۔
(۷) سورہ ہود کی آیت ۲۶ سے لیکر ۲۷ تک حضرت نوح علیہ السلام
کے واقعات کو مزید صراحت سے بیان کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ
قارئین کرام ان پر غور کریں کہ کس طرح پر انھوں نے اپنی قوم کو تبلیغ
کی اور جب ان کو آنے والے عذاب سے ڈرایا تو انھوں نے بڑی
شوخی سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اس عذاب کو لاؤ۔ نوح نے ایک بصیرت

کہا کہ وہ عذاب تو آ کر ہی رہے گا تم اسے ٹلا نہیں سکتے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے نوحؑ کو جو بشارت دی اور عذاب الٰہی سے بچنے کی تدبیر بتائی وہ سب امور تفصیل سے بیان کر دئے ہیں۔

میں نے یہ سات مقام بطور نمونہ بتائے ہیں اور قارئین کرام ان تمام مقامات پر جب غور کرینگے تو ان کی بصیرت و معرفت میں ترقی ہوگی۔ بالآخر وہ عذاب طوفان نوح کی شکل میں آیا اور اللہ تعالےٰ نے نوحؑ اور آپ کے متبعین کو بچالیا۔ اور منکرین ہلاک ہوگئے۔ نوح علیہ السلام جب تبلیغ کے ہر پہلو کو اختیار کر چکے تب آپ نے وہ دعا کی جس کے لئے یہ تمہیدی نوٹ لکھا ہے۔

(عرفانی کبیر)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا $\frac{18}{2}$

(سورہ نوح پارہ ۲۹)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَاءِیْٓ

اِلَّا فِرَارًا وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ

فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا

إِسْتِكْبَارًا ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ

إِسْرَارًا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ

السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَ

يَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ

لِلَّهِ وَقَارًا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ

اللَّهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ

الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ

يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ

بِسَاطًا لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ

عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ

وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا

كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا

نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ

لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ

يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا رَّبِّ اغْفِرْ لِي

وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا

ترجمہ ۔ اے میرے رب میں اپنی قوم کو رات دن دعوت
الی الحق دیتا رہا۔ مگر میری دعوت نے ان کے فرار
(بھاگنے) ہی کو بڑھایا اور جب کبھی ان کو بلایا تاکہ تو
انھیں معاف کردے تو انھوں نے میری پکار کو نہ سننے
کے لئے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنے
کپڑوں میں چھپا گئے۔ اور اپنی بات پر اڑے رہے
اور سخت تکبر اختیار کیا۔ پھر میں نے ان کو پکار پکار کر کھلم
کھلا بلایا۔ پھر میں نے علانیہ اور خفیہ طور پر بھی سمجھایا

یعنی ان کو کہا کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو بے شک وہ گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے۔

وہ تم پر لگاتار مینہہ برسائے گا۔ اور تمہارے اموال اور اولاد کو بڑھائے گا۔ اور تمہارے لئے باغات عطا کرے گا اور نہریں جاری کریگا۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے عزت کی امید ہی نہیں رکھتے اور اس نے تمہیں مختلف حالات میں سے گذار کر پیدا کیا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کس طرح اللہ تعالےٰ نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا ہے اور اور چاند کو اس میں نور پیدا کیا اور سورج کو اس نے سراج بنایا اور اللہ تعالےٰ نے تم کو زمین سے سبزہ کی طرح پیدا کیا۔ پھر وہ تم کو اسی میں لوٹا دیگا اور پھر ایک نئی پیدائش میں کھڑا کریگا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنا دیا۔ تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔ نوحؑ نے عرض کیا اے میرے رب انھوں نے (میری قوم) میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کی پیروی کی جو ان کے اموال اور اولاد میں

نقصان کے سوا کچھ بڑھا نہ سکے اور انھوں نے میرے مقابلہ کے لئے بڑے بڑے منصوبے اور تدبیریں کیں اور ان منکرین نے عوام کو) کہا کہ ہرگز ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق اور نسر کو ترک نہ کرو۔ (سچ تو یہ ہے کہ) انھوں نے بہتوں کو ہلاک کیا (پس اے خدا ایسے) ظالموں کو تو ہلاکت ہی میں بڑھائے وہ اپنی خطا کاریوں کی وجہ سے غرق ہوئے اور آگ میں داخل کئے گئے ایسی حالت میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہ پایا۔

تب نوح نے دعا کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی رہنے والا نہ چھوڑیو (کیونکہ) اگر تو نے انھیں چھوڑ دیا تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور بدکار اور کافر ان کے سوا کسی کو نہ جنیں گے۔ اے میرے رب میری پردہ پوشی فرما۔ اور میرے ماں باپ اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں فرمانبردار ہو کر داخل ہو مومن مرد ہوں یا عورتیں اور ظالموں کے لئے تو تباہی کو بڑھا۔

(تفسیری نوٹ) یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سورہ نوح مکی سورہ ہے اور مکہ والوں کو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے تاریخی نبی کے حالات دعوت الی الحق اور قوم کے انکار و اعراض اور اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کر کے بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو حق لیکر آئے ہیں اور جس کی طرف بلایا جا رہا ہے اس کے انکار و جحود کا انجام منکرین اور مکذبین کی ہلاکت ہوگی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس تفصیلی دعا میں نہایت عجیب علمی انکشافات اور ترقی انسانی کے اصول درج ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث کا یہ موقعہ نہیں مگر بعض باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

اول جن بتوں کی پرستش نوح کی قوم کے لوگ کرتے تھے وہی بت عربوں کے مختلف قبایل میں بھی رائج تھے اور وہ ان کی عبادت کرتے تھے اس لئے جب نوحؑ نے توحید کا وعظ کہا اور ایک خدا کی عبادت کی طرف توجہ دلائی تو اس قوم کے سرداروں نے اپنے عوام کو کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ترک نہ کرو اور بعض کے نام بھی لئے ود وغیرہ۔ مکہ کے کفار نے بھی اپنے آبا و اجداد کے خود ساختہ معبودوں کو ترک کرنے کی دعوت پر برہمی اور مخالفت کا عملی ثبوت دیا ان کے مختلف قبایل میں بھی یہی بت تھے مثلاً ود دولتہ الجندل کا بت تھا اور سواع ہذیل کا اور یغوث عطیف کا اور یعوق ہمدان کا اور نسر حمیر کا تھا۔

بت پرستی کی تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ بعض لوگ جو اپنی قوم میں اپنے اعمال کی وجہ سے برگزیدہ اور ممتاز ہوتے تھے ان کے قومی کارنامے انھیں ایک نمایاں حیثیت دیدیتے تھے امتداد زمانہ کے بعد ان قوموں نے انھیں اپنا معبود اور حاجت روا قرار دے لیا۔ جیسے اب بعض نامور لوگوں کے بت بنائے جاتے ہیں یہ یادگاری بت زمانہ قدیم میں معبود بن جاتے رہے بہر حال عرب بھی انھیں بتوں کی عبادت کرتے تھے اس لئے حضرت نوح کے واقعات کو پیش کیا۔

دوم۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے طریق کو بتایا ہے اور حضرت نوح نے کوئی دقیقہ تبلیغ حق کا باقی نہیں رکھا دن ہو کہ رات انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر قوم کو متوجہ کیا۔ اور اپنی دعوت حق کو قبول کرنے کے منافع اور اس کے رد کرنے کے بُرے انجام سے ڈرایا۔ اور اپنی دعوت کے دلایل پیش کیے مگر قوم نے توجہ نہ کی۔

سوم۔ جب ایک زمانہ دراز تک کی طویل دعوت پر بھی انھوں نے لبیک نہ کہی تب حضرت نوح نے بظاہر اپنی قوم کے لئے بد دعا کی اس دُعا کے حسب ذیل اجزا ہیں۔

(۱) اے میرے رب ان کافروں میں سے ایک گھر بھی زمین پر باقی نہ رکھو۔

اور اگر یہ باقی رہے تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے گویا اب
ان کی بداعمالی اس حد تک پہونچ گئی ہے کہ خود ہی گمراہ نہیں ہوئے
دوسروں کو بھی ہلاکت کی طرف لے جارہے ہیں اور یہ باقی رہے
تو جو نسل ان سے پیدا ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گذار ہوگی۔

(۲) پھر اپنے لئے دعا کرتے ہیں کہ اے میرے رب میری حفاظت فرمائیے اور میرے والدین کی بھی پردہ پوشی فرمائیے اور مومن مرد ہوں یا عورتیں جو میرے گھر میں داخل ہوں ان کی بھی حفاظت فرمائی جاوے اور مشرک اور دعوت حق کا انکار کرنے والی قوم کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہو۔

سرسری نظر سے نوح علیہ السلام کی یہ دعا بددعا معلوم ہوتی ہے اور ایک نبی کی شان سے بظاہر بعید نظر آتی ہے کہ اُسے تو اللہ تعالےٰ کی رحمت و رافت کا ایک زندہ نشان ہونا چاہیئے۔ حقیقت میں یہ بد دعا نہیں اور اس کا پس منظر کچھ اور ہے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالےٰ کی رحمت ہی کا ایک نشان ہوتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جس مقصد عظیم کے لئے ان کو کھڑا کیا ہے وہ پورا ہو اور خدا تعالےٰ کے عظمت و جلال کے تخت پر جن معبودان باطلہ کو جگہ دی گئی ہے انکو تباہ کردیا جاوے۔

اور قوم میں صلاحیت اور انسانیت کی حقیقی روح پیدا ہو۔ اس مقصد کے حاصل کرنے لیئے جو چیز بھی ان کی راہ میں آئے وہ اسے ہٹا دینا چاہتے ہیں یہ روک کسی حکومت کی ہو یا اس کی کوئی اور صورت ہو وہ اس کے ہٹا دینے پر اپنی قوتوں کی صرف کر دیتے ہیں اور بالآخر اللہ تعالٰے سے دعا کرتے ہیں۔ حضرت نوحؑ نے اپنی انتہائی قوتوں کو صرف کیا اور قوم کو دعوت حق دی جب انتہا ہوگئی تو انھوں نے اس نسل میں قبول حق کے جوہر کو نہ پایا تب یہ دعا کی اس میں کچھ شک نہیں کہ بظاہر یہ بد دعا ہے مگر اس کی تہ میں جو چیز ہے۔

وہ حق کی راہ میں روکوں کو اٹھا دینا ہے

پھر یہ دعا منکرین کے لیئے بھی اپنے اندر ایک رحمت کا رنگ رکھتی ہے کہ ان کا خاتمہ ہو جانا ان کو مزید شرارتوں کی وجہ سے زیادہ سزاؤں کا مستحق نہ بنا دے۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب کسی طرح پر حق کی دعوت کے لیئے راستہ نہ نکلتا ہو اور مخاطب قوم اس کی راہ میں مشکلات اور مصائب پیدا کر رہی ہو تو پھر خدا تعالٰے کا قانون یہی ہے کہ ان کو مٹا دیتا ہے اور دوسروں کو قبول حق کیلئے

راستہ کھول دیتا ہے جب ظلم و شرارت حد سے بڑھ جاوے تو اس قسم کی دعا خدا کے نبی بھی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب فسق و فجور حد سے بڑھ جاتا ہے تب ایسی نسل کی تباہی لازمی ہو جاتی ہے۔ دنیا کی تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ جب دنیا کی اخلاقی حالت تباہ ہو گئی اور وہ انسانیت کے تمام اعمال اور خصوصیات کو ترک کر کے فسق و فجور میں مبتلا ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

عربوں کی حالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت نوح علیہ السلام کی قوم سے مشابہہ تھی۔ عبادت میں اس نے اللہ تعالےٰ کو ترک کر کے بتوں کی عبادت اختیار کر رکھی تھی اور وہی بت تھے جو نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے معبود بنا رکھے تھے ہاں ان پر کچھ زاید بھی تھے۔

ہر قسم کی بدکاریوں اور منہیات میں مبتلا تھے نوح علیہ السلام کی قوم کو اس دعا کی قبولیت میں خدا تعالےٰ نے تباہ کر دیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ رحمتہ اللعالمین ہو کر آئے تھے اور آپ نے اپنی قوم کے لئے یہ دعا کی تھی

اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر یہ جانتے نہیں

اللہ تعالےٰ نے ان کو تباہی اور ہلاکت سے بچا لیا۔

ایک اور نکتہ اگرچہ میں نے یہی لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دُعا بد دعا نہ تھی اس کے پس منظر نوح علیہ السلام اس قوم کو مزید بد کاریوں اور عذاب سے بچانا چاہتے تھے کو آیندہ ایسی نسل جاری نہ رہے لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ بظاہر یہ دُعا نہیں بد دعا ہے تو بھی اس سے حضرت نوح علیہ السلام کے مقام نبوۃ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ دعا بہر حال حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کی وحی سے کی۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورہ ہود کی آیتہ ۳۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اور نوح کی طرف یہ وحی کی گئی کہ جو لوگ تیری قوم میں سے ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی ایمان نہ لائے گا۔ اس لئے جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر افسوس نہ کر"

انبیا علیہم السلام کی فطرت میں مخلوق کی بھلائی کے لئے انتہائی جوش ہوتا ہے خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جوش رحمت وشفقت کا ذکر تو قرآن مجید ان الفاظ میں کرتا ہے لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین

یعنے کیا تو اس فکر وغم میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیگا

کہ یہ مومن کیوں نہیں ہوتے۔

پس جب حضرت نوح علیہ السلام پر اپنی قوم کے منکرین و مکذبین کے متعلق خدا تعالیٰ کی وحی نے فیصلہ کر دیا تب حضرت نوح علیہ السلام نے اس فیصلہ کو سن کر اس فیصلہ کے صدور کے لئے دعا کر دی۔ بہر حالت میں اس کے الفاظ گو ایسے ہوں جو بظاہر بد دعا کا رنگ رکھتے ہیں مگر در اصل اس کے پس منظر میں شفقت اور رضا بالقضا کا سبق ہے۔

۱۹/۳ حضرت نوح کی ایک اور دعا

سورہ قمر پارہ ۲۷ آیۃ ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی ایک اور دعا کا ذکر فرمایا اور یہ بھی سورہ مکی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل ہیں مخالفین و منکرین رسالت کے تاریخی انجام کے اظہار کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اُن کی دعا کا ذکر کیا کہ نوحؑ کی دعوت پر لوگوں نے انہیں مجنون کہا اور ڈرایا دھمکایا تب نوحؑ نے دعا کی۔

رَبِّ اِنِّی مَغْلُوبٌ فَانْتَصِر

اس حالت میں قوم نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ ان کو پاگل کہا

اور مختلف قسم کی دھمکیاں دیں نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب میں مغلوب ہوں تو ہی میری مدد فرما۔

اس دعا کی قبولیت میں اللہ تعالےٰ نے طوفان نوحؑ نازل کر دیا۔ اس طرح پر یکہ دا تو کو بتایا کہ خدا کے نبیوں کی نصرت آسمان کرتا ہے

حضرت نوح علیہ السّلام کی بعض اور دعائیں

سورہ ہود کی آیتہ ۲۶ سے ۲۷ تک حضرت نوح علیہ السلام کے کے واقعات و حالات کی تصریح ہے۔ کہ کس طرح پر انھوں نے اپنی دعوت حق کو پیش کیا۔ اور قوم نے کیا سلوک کیا۔

(۱) نوح علیہ السلام نے قوم سے مبعوث ہونے کے بعد کہا کہ میں تمہاری طرف تمہارے فائدہ کے لئے نذیر مبین ہو کر آیا ہوں۔ تمہارے اعمال و حالات اللہ تعالےٰ کے قانون سزا کے ماتحت ایک عذاب کا باعث ہونے والے ہیں میں اس عذاب سے تمہیں بچانے کو آیا ہوں۔ میں اپنی تعلیم کھول کھول کر بیان کرتا ہوں۔ میری باتیں بے معنی اور بے بنیاد نہیں معقول ہیں اور میں عذاب الہٰی سے بچنے کی تدبیر بتاتا ہوں۔

(۲) میری تعلیم اور تمہاری نجات کی تدبیر کا خلاصہ یہ ہے کہ

صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے خطرہ ہے کہ تم دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

(۳) حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعوتِ انذار و تبشیر نے قوم پر اثر نہ کیا انھوں نے کہا کہ تو ہمارے ہی جیسا انسان ہے اور تمہارے متبعین میں حقیر ترین لوگ نظر آتے ہیں جن کی ہماری نظر میں اور قوم میں کوئی وقعت نہیں ہے اور تمہیں بھی کوئی خصوصیت ہم پر نہیں ہم تو تم کو جھوٹا یقین کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے منکرین نے ہمیشہ یہ اعتراض کیا ہے اور انبیا علیہم السلام کو قبول کرنے والے اولاً وہ لوگ ہوتے ہیں جو سوسائٹی میں ممتاز اور مخصوص حیثیت نہیں رکھتے اس لئے کہ انبیا علیہم السلام تو چھوٹوں کو بڑے بنانے کے لئے آتے ہیں اور تا ثابت ہو کہ اس کے ساتھ محض خدا کی تائید اور نصرت ہے۔

(۴) حضرت نوحؑ نے انھیں سمجھایا کہ میں تو ایک بصیرت اور دلایل کے ساتھ اپنے رب کی طرف سے آیا ہوں مگر صداقت کو تم دیکھ نہیں سکتے۔ اور میں جبراً منوا نہیں سکتا۔ میں تمہاری اس بھلائی کے لئے تم سے مزدوری کا طلبگار نہیں اور جن لوگوں نے حق کو قبول کر لیا ہے میں ان کو رد نہیں کر سکتا انھوں نے خدا ہی کا

شرف حاصل کر لیا ہے اصل یہ ہے کہ تم جہالت سے کام لیتے ہو۔ اگر میں ان کو رد کر دوں تو یہ ایسا فعل ہے جو اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں قابل سزا ہے۔ مجھے اس سزا سے کون بچا سکتا ہے اس میں ضمناً حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ مخلصین کی اس جماعت کی حقارت اور ان سے نفرت یہ عذاب الٰہی کا ذریعہ ہو جائیگا۔

غرض اس طرح پر حضرت نوح علیہ السلام نے پورے طور پر اپنی قوم پر اتمام حجت کیا ان کے ہر قسم کے اعتراضات کا جواب دیا اپنے منصب نبوۃ و رسالت کی خصوصیات بیان کیں۔ بالآخر نوحؑ کی قوم نے اس انذار (عذاب) کا مطالبہ کیا۔ تب اللہ تعالےٰ نے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ اب ظالموں کی نجات کے لئے دعا نہ کرنا۔ قوم حضرت نوحؑ کی اس حرکت پر ٹھٹے مارتی رہی یہاں تک کہ امر اللہ آپہونچا۔ طوفان کا عذاب آیا۔ اور نوحؑ نے اپنے رفقاء کو کہا کہ

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔
(سورہ ہود آیۃ ۴۲)

یہ گویا کشتی میں سوار ہونے کی دعا تھی۔ نوح علیہ السلام نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کشتی کا چلنا اور اس کا

ٹھرایا جانا اللہ تعالٰے کے نام ہی کی برکت سے ہوگا
بے شک میرا رب غفور الرحیم ہے۔

اللہ تعالٰے نے اس عذاب سے نوح علیہ السلام اور آپ کے اہل کی صیانت کا وعدہ دیا تھا لیکن نوحؑ کا ایک بیٹا مخالف تھا آپ نے اسے کشتی میں سوار ہونے کو کہا مگر اس نے کہا میں اونچے پہاڑوں پر چلا جاؤں گا۔ ہر چند نوح علیہ السلام نے اسے سمجھایا مگر اُس نے نہ مانا تب حضرت نوحؑ نے اس کی نجات کیلئے دُعا کی۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ۔ (سورہ ہود آیتہ ۴۶)

اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب میرا بیٹا یقیناً میرے اہل میں سے ہے اور آپ کا وعدہ بھی یقیناً سچا ہے اور آپ تو احکم الحاکمین ہیں۔

نوح علیہ السلام کی اس دعا میں آداب الدعا کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ یہ تو نہیں کہتے کہ میرا بیٹا ہلاک ہوتا ہے تو آپ کا وعدہ سچا نہیں بلکہ طرز بیان سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ آپ کا فیصلہ ہی سچا ہے اور وعدہ بھی میرے سمجھنے میں کوئی غلطی ہے۔

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے جواب دیا کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے تیرے اہل میں داخل نہیں پھر اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ سوال کرنے کی کیا صورت ہو۔ جہالت نہیں چاہیئے تب حضرت نوحؑ نے پھر دعا کی دیکھو سورہ ہود پارہ ۱۲ رکوع ۴ آیتہ ۴۷۔

جہالت کے سوال سے بچنے کی دُعا نمبر ۲۰

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

نوحؑ نے عرض کیا اے میرے رب میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے ایسی چیز مانگوں جس کی بھلائی یا برائی کا مجھے علم نہ ہو اگر تو میری یہ غلطی معاف نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں سے ہو جاؤں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اس دُعا سے یہ پایا جاتا ہے کہ مومن اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر اس سے صرف رجوع ہی نہیں کرتا

بلکہ آیندہ ان سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کرتا ہے۔ اور غلطیوں سے محفوظ رہنا اپنی طاقت اور تدبیر پر منحصر نہیں کرتا بلکہ خدا تعالےٰ کے فضل اور رحمت کا جویاں رہتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا سے استغفار کی حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اجتہادی غلطی تھی جو شرعی گناہ کی حیثیت نہیں رکھتی مگر وہ اس پر بھی استغفار کرتے ہیں اور بشری کمزوریوں کے صدور اور ان کے اثرات سے محفوظ ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ اس سے دو باتوں کا اظہار ہوتا ہے اول یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ استغفار کیلئے گناہ کا صدور بھی ضروری ہو۔ دوم انبیاء علیہم السلام کے علو مرتبت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ تطہیر نفس کے لئے مدام اللہ تعالےٰ کے فضل اور رحم کے طلب گار رہتے ہیں اور اپنی سعی اور تدبیر پر کبھی بھروسہ نہیں کرتے ان کا تکیہ و توکل ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہوتی ہے اور اس کی رحمت کی طلب اُن کی زندگی کا دائمی دستور العمل۔ اَللّٰھُمَّ اَرْزُقْنَا مِنْہُ (آمین)

حضرت نوحؑ کی آخری فیصلہ کیلئے دعا ۲۱

جب حضرت نوح علیہ السلام تبلیغ کے تمام اسباب و ذرایع کو استعمال کر چکے اور انھوں نے دیکھا کہ ان کی قوم اس پیغام حق کو سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تب انھوں نے یہ دعا کی۔
دیکھو سورہ الشعرا پارہ ۱۹ رکوع (۶) آیتہ ۱۱۷ و ۱۱۸۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ہ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب میری قوم نے میری تکذیب کی پس اب آپ ہی میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجے اور مجھے اور اس جماعت مومنین کو جنھوں نے مجھے قبول کیا اور میرے ساتھ ہوئے۔ ان کی شرارتوں اور ان پر نازل ہونے والے عذاب سے نجات دے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوگئی۔ چنانچہ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس دعا کے نتیجہ میں ہم نے نوح کو اور اسکے

متبعین کو جو اس کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں نجات دی اور باقی جو مخالفین تھے ان کو غرق کر دیا۔ حضرت نوحؑ کی اس دعا سے سبق ملتا ہے کہ ایک مبلغ اور مومن کو تبلیغ حق کے لئے ہر قسم کی سعی کرنی چاہیئے۔ وہ نہ دن دیکھیں نہ رات۔ اسی سلسلہ میں حضرت نوحؑ نے یہ بھی دعا کی۔ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ۔ اے میرے رب میری مدد فرما کہ انھوں نے تو مجھے جھٹلایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی نجات پا کر دعا ۲۲

اللہ تعالٰے نے فیصلہ ربانی کی دعا کو قبول فرمالیا اس کے بعد حضرت نوحؑ اور آپ کی نجات یافتہ جماعت کو دوسری دعا سکھائی تھی۔ اولاً یہ کہ جب کشتی پر سوار ہو جاؤ تو یہ دعا کرو۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (سورہ مومنون پارہ ۱۸ رکوع ۲ آیت ۲۸)

یعنے اللہ تعالٰے کی حمد ہو جس نے ہم کو ظالموں کی قوم سے نجات دی۔ نجات پا جانا ایک فضل تھا مگر وہ کشتی طوفان سے بچا کر اصل ملک سے نکال لائی تھی اب نئی ضرورتیں اور حاجتیں تھیں اس لئے فرمایا یہ دعا کرو۔

منزلِ مُبارک کی دُعا ۲۳

سورہ مومنون پارہ ۱۸ رکوع ۲ آیت ۳۰۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ

اے میرے رب مجھے مُبارک مقام پر اتار اور تیرا اتارنا تو خیر و برکت ہی کا ہوتا ہے۔

حضرت نوح نے اپنی قوم کی تباہی پر الحمد للہ نہیں کہا بلکہ اپنے نجات پانے پر الحمد للہ فرمایا۔ کہ مجھے ظالموں (مشرکوں) کی قوم سے نجات بخشی۔ اس دعا کے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس میں آیات ہیں اور یہ ہمارا ایک قانون ہے کہ ہم آزمایش کرتے ہیں۔ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلایل ہیں اور قانون ابتلا بھی ایک دائمی سنت اللہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا ۲۴

(تمہیدی نوٹ) حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا کے بیان کرنے سے پہلے اس دعا کے موقع اور محل اور ان حالات کا بیان کرنا

ضروری ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کو پیش آئے قرآن کریم کے احسانات اور کمالات میں یہ امر واضح ہے کہ اسنے انبیا علیہم السلام کی تطہیر اور عصمت کا ثبوت دیا ہے اور ان پر جو غلط الزامات دشمنوں اور ناداں دوستوں نے لگائے ہیں ان کو دور کیا ہے حضرت ایوب علیہ السلام بھی ان انبیاء میں سے ایک ہیں جن کو دشمنوں یا ناداں دوستوں نے بائبل وغیرہ میں ایسے رنگ میں پیش کیا ہے جو انکی شان نبوت کے سراسر خلاف ہے۔ مجھے افسوس اور دکھ ہوتا ہے جب میں بعض تفاسیر میں ان بے بنیاد قصوں کی بنا پر جو اسرائیلیات کا نتیجہ ہیں قرآن مجید کے اصل الفاظ کی تفسیر کو ترک کر کے تفسیر کی گئی ہے۔

اسرائیلی بے بنیاد قصہ

اسرائیلی قصہ تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جذام ہو گیا تھا اور تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے اور وہ اٹھارہ سال تک اس خبیث مرض میں مبتلا رہے اور شہر والوں نے ان کو شہر سے نکال دیا اور ان کے خاندان نے ان سے بے اعتنائی کی صرف بیوی روزانہ ان کو کھانا لیجایا کرتی تھی ایک روز دیر ہونے پر حضرت ایوب علیہ السلام نعوذ باللہ اس کے متعلق مشکوک ہو گئے اور اس کو سو لکڑیاں مارنے کی قسم کھائی اور اس طرح پر ۱۸ سال کے بعد انہیں اپنی بیماری سے

نجات ہوئی تو اس قسم کو قائم رکھنے کے لئے سو لکڑیوں کا ایک جھاڑو بنا کر مار دیا اور قسم پوری ہو گئی۔ یہ ہے وہ بے سروپا روایت جس کو پڑھ کر ہر شریف انسان کو دکھ ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے ایک نبی کے متعلق ایک قصہ گھڑا گیا۔

قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کا ذکر قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کا ذکر چار جگہ آیا ہے سورہ نساء انعام۔ انبیاء اور صٓ میں لیکن نساء اور انعام میں صرف نام آیا ہے مگر الانبیاء اور صٓ میں کسی قدر تفصیل ہے چنانچہ سورہ انبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۶ آیتہ ۸۴ و ۸۵ کا ترجمہ یہ ہے۔

اور ایوب (کے واقعہ کو یاد کرو) جب اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب میں دکھی ہو گیا ہوں اور آپ تو ارحم الراحمین ہیں (مجھ پر رحم کرو)

پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور جس دکھ میں وہ مبتلا تھا وہ دور کر دیا اور اس کے اہل کو بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی (عزیز و اقارب) دیدے یہ ہماری طرف سے اس کے لئے رحمت تھی اور یہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے والوں کے لئے یاددہانی ہے۔"

اس مقام میں صرف ایک لفظ آیا ہے۔ اِنّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ
جس کے متعلق میں آگے چل کر بحث کرتا ہوں۔

دوسرا مقام حضرت ایوبؑ کے ذکر کا سورہ ص پارہ ۲۳ رکوع ۴ آیت ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵ میں آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اور ہمارے بندے ایوبؑ کے واقعہ کو یاد کرو جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا مجھے شیطان نے تکان اور دکھ پہونچایا ہے (تو ہم نے اس کو کہا کہ) تیزی سے (پیدل یا سوار) چل یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے اور پینے کے لئے (۴۳) اور ہم نے اس کو اس کے اہل اور ان جیسے اور بھی عطا کر دے۔ یہ ہماری طرف سے رحمت تھی اور اولوالالباب کیلئے یاد دہانی (۴۴) اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے اور باطل کی طرف جھکو ہم نے اس کو مستقل المزاج اور مستقیم الاحوال پایا کیا ہی اچھا بندہ تھا بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف انتہائی رجوع کرنے والا تھا۔

یہ ہیں دونو مقام جہاں حضرت ایوبؑ کا ذکر آیا ان مقامات میں نہ تو ان خبیث امراض کا ذکر آیا ہے نہ اپنی بیوی پر بدظنی کرنیکا۔

اور اس اسرائیلی روایت کو دیکھا جاوے تو وہ شانِ نبوت کے خلاف ہے اس لئے ہم اس کو رد کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے ان ہر دو مقامات پر حضرت ایوبؑ کی تعریف کی ہے ایک مقام پر اللہ تعالےٰ پیار کے الفاظ میں ان کو عبدنا کہتا ہے یہی لفظ مقام مدح و محبت میں قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی استعمال فرمایا جیسا کہ فرمایا۔

ان کنتم فی ریب مما نزّلنا علےٰ عبدنا

اگر تم اس وحی رسالت و صداقت میں جو ہم نے اپنے

بندے پر نازل کی شک و شبہ میں ہو۔

حضرت ایوبؑ کے متعلق صرف اتنا ہی نہیں کہا عبدنا

یہ بھی فرمایا نعم العبد جس سے اور بھی ان کی تطہیر ہوتی ہے۔

پس قرآن مجید جب حضرت ایوبؑ علیہ السلام کی نسبت جناب باری کی طرف سے محبت و پیار کا لفظ ذکر کرتا ہے تو ان کی طرف ایسے امور منسوب کرنا جو ان کو قرب الٰہی سے دور اور مہجور بناتے ہوں سراسر حماقت اور بے ادبی ہے۔ پھر دوسرے مقام پر حضرت ایوبؑ کی نسبت صابراً کا لفظ فرمایا اور صابرین کے لئے

اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت کا وعدہ فرمایا ہے ان اللہ مع الصابرین اور اللہ تعالیٰ کی معیت تو بجز اعلیٰ درجے کے متقی انسانوں کے کسی کو نہیں مل سکتی۔

اور پھر حضرت ایوبؑ کی نسبت اوّاب کا لفظ فرمایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی۔ اوّاب فرمایا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے گویا حضرت ایوبؑ رجوع الی اللہ کے انتہائی مقام پر تھے۔

پس یہ امر ہی حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق حالات کی جو اسرائیلی روایات میں بیان کئے گئے ہیں تردید کرتے ہیں اب صرف ایک امر کا بیان کرنا ضروری ہے کہ مستی الشیطٰن سے کیا مراد ہے۔

مسنی الشیطان سے کیا مراد ہے

یہ حقیقت بھی واضح ہے سورہ الانبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام یہ عرض کرتے ہیں اَنِی مستنی الضُرُّ مجھے بڑی تکلیف پہونچی ہے سورہ ص میں الضُرُّ کی بجائے الشیطان کا لفظ ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کے معنی کر دئے ہیں ذرا غور کرو۔ دب انی مسنی الشیطان بنصب وعذاب اے میرے رب مجھے شیطان نے تکان (دکھ) اور عذاب میں ڈالدیا ہے۔ وہ اپنی تکلیف کا ذکر کرتے ہیں۔

اس آیتہ کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے میں قرآن کریم کے ایک اور

مقام کو پیش کرتا ہوں سورہ کہف پارہ ۱۵ رکوع ۹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سفر کا واقعہ ہے اس کی آیتہ ۲۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رفیق سفر کو کہتے ہیں۔

لقد لقینا من سفرنا هذا نصبا

یقیناً اس سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا ہے۔

اس میں وہی لفظ نصب کا آیا ہے جو اس مقام پر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ایک سفر میں تھے اور اس کے لئے دوسرا قرینہ ارکض برجلک بھی ہے کیونکہ ارکض سواری کے تیز دوڑانے اور چلنے کو کہا جاتا ہے ارکض برجلک کے ایک معنی یہ ہونگے کہ ایڑی لگا کر سواری کو تیز چلاؤ۔ اس کے علاوہ اور معنی بھی ہیں جو آگے آئیں گے غرض ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سفر میں تھے اور یہ تکالیف اسی سفر میں پیش آئیں اور ان تکالیف میں تھکان بھی تھی انی مسنی الشیطان میں شیطان سے مراد کوئی شیطان صفت انسان ہے جس نے انکو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے اور وہ تکالیف سفر میں پیدا ہو گئیں۔ اور قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے لئے شیطان کا لفظ استعمال کیا ہے

جیسے فرمایا من الجنۃ والناس اور واذا خلوا الی شیاطینہم۔
اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کا علاج بتایا کہ سفر کو منقطع نہ کرو۔ بلکہ تیزی سے چلے چلو یہاں تک کہ ایک ٹھنڈے چشمہ پر آپ کو پہونچا دیا جس کے پانی کے پینے اور اس میں غسل کرنے سے وہ کوفت اور تکان دور ہو گئی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سفر کی تکان میں بالآخر غسل اور ٹھنڈے پانی کے پینے سے کوفت اور تکان دور ہو جاتی ہے،
اور اگر یہ بھی سمجھا جاوے کہ آپ کچھ بیمار تھے (جس کا ذکر قرآن کریم میں نہیں) تو بھی اللہ تعالےٰ نے ان کو ایک چشمہ پر پہونچا دیا جس کے پانی کے پینے اور غسل کرنے سے تکلیف دور ہو گئی۔
حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حالات میں حضور کی زندگی کے حالات ہیں۔ اس میں گویا بتایا ہے کہ آپ کو ہجرت کرنی پڑے گی اور بالآخر وہ احباب جو اہل کا حکم رکھتے ہیں آپ کو مع دوسری جماعت کثیر کے مل جاوینگے۔
اب اس دعا کی حقیقت بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے
(باللہ التوفیق)

دعائے ایوب علیہ السلام

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

(اے میرے رب) مجھے بہت ہی تکلیف پہنچی ہے۔
(رحم فرما) اور آپ تو سب سے زیادہ رحم کرنیوالے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا[۲۵]

(تمہیدی نوٹ) حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کے مندرجہ ذیل مقامات میں آیا ہے۔

(۱) سورۂ نساء رکوع ۲۳ آیت ۱۶۳ میں۔ اس مقام پر حضرت یونسؑ کا ذکر دوسرے انبیاء کے ساتھ اس طریق پر آیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کو استقرائی طور پر ثابت کرنا مقصود ہے چنانچہ یہ آیت اس طرح پر شروع ہوتی ہے کہ بے شک ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی جس طرح پر ہم نے نوح اور ان کے بعد کے انبیا (علیہم السلام) پر وحی کی۔ اور پھر ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل اسحاق یعقوب اور اسکی اولاد پر

الی الآخرہ گویا یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ سلسلہ نبوۃ ہمیشہ سے جاری ہے اور یہ بھی کہ جس طرح پر ان انبیا علیہم السلام کی دعوت کے وقت مخالفت ہوئی اور ایک جماعت نے قبول کیا اسی طرح اب بھی ہوگا۔

(۲) سورۃ الانعام رکوع ۱۰ آیتہ ۸۴ میں۔ اس مقام پر بھی دوسرے انبیاء کے ساتھ آپ کا ذکر ہوا۔ اس مقام پر بھی وہی مقصد مدنظر ہے جس کا ذکر نمبر ۱ میں ہوا ہے۔

(۳) سورۃ یونس پارہ (۱۱) آیتہ ۹۸

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔

پھر یونس کی قوم کے سوا کیوں اور کوئی (ایسی) بستی ہوئی جو (نزول عذاب سے پہلے) ایمان لے آتی اور اسکا ایمان ان کے لئے باعث برکت ہوتا۔ یونس کی قوم جب ایمان لے آئی تو ہم نے ان پر سے اس دنیا میں رسوائی بخش عذاب ٹلا دیا اور ایک خاص وقت تک انھیں ہر قسم کا سامان عطا کر دیا۔

(۴) سورۂ الانبیا پارہ ۱۷ رکوع ٦ آیتہ ۸۸ میں آپ کا نام نہیں لیا بلکہ ذالنون فرمایا اسی آیتہ میں وہ دعا ہے جس کی تمہید کے لئے یہ نوٹ لکھا جا رہا ہے۔

(۵) سورۂ القلم (نون) پارہ ۲۹ رکوع ۲ آیتہ ۴۹ تا ۵۱ میں بھی آپ کا نام صاحب الحوت بیان کیا ہے یونس نام کا ذکر نہیں کیا ان آیات کا ترجمہ یہ ہے۔

پس اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کرو۔ اور مچھلی والے صاحب کی طرح نہ ہو جانا جب اس نے پکارا اور وہ رنج سے بھرا ہوا تھا۔ (۴۹) اگر تمہارے رب کی نعمت اسے نہ پا لیتی (اور مدد نہ فرماتی) تو وہ برے حال میں کنارے پر گرا دیا جاتا۔ (۵۰) پس اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا اور اس کو صالحین میں سے بنا دیا (۵۱)۔

(٦) سورۂ صافات پارہ ۲۳ رکوع ۵ آیت ۱۴۰ سے لیکر آیتہ ۱۴۹ تک۔ اس مقام پر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں کیا ہے مگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ۔ اب میں حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ایک اجمالی بیان دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

قرآن کریم نے حضرت یونس کو ان کے صفاتی نام صاحب الحوت اور ذوالنون سے بھی ذکر کیا ہے۔ اس لیئے کہ انکے ساتھ مچھلی کا واقعہ پیش آیا تھا نون کے معنی مچھلی قرآن مجید کے دوسرے مقام صاحب الحوت کی تائید سے بھی کیئے گئے ہیں اور قدیم عربی زبان میں نون بمعنے مچھلی ہی آتا ہے بائیبل میں حضرت یونس کے نام کا ایک صحیفہ ہے بائیبل میں ان کو یوناہ کہا گیا ہے۔ اور بائیبل سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ یروشلم میں تھے اور انھیں نینوہ کے لوگوں کی طرف نذیر کر کے بھیجا گیا۔ اس مسئلہ میں کچھ اختلاف ہے کہ آیا یہ وہی یونس نبی تھے یا کوئی اور۔ اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں بائیبل کے واقعات پر ہم حصر نہیں کرتے صرف اس قدر حصّہ کو ہم لیتے ہیں جس کی قرآن کریم تصدیق کرتا ہے یوناہ (یونس) کی کتاب میں مچھلی کا واقعہ آتا ہے، حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی کیا ہے کہ یونس نبی کے نشان کے سوا اور نشان نہ دیا جاوے گا۔

غرض قرآن مجید نے حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کو اولاً بطور استنفرا اثبات نبوۃ محمدیہ علیہ التحیۃ پیش کیا ہے۔ اور پھر انکے واقعہ میں اس صداقت کو بتایا ہے کہ انذاری پیشگوئی توبہ و استغفار سے

ٹل جایا کرتی ہیں۔ اور حضرت یونسؑ کے واقعہ میں یہ پیشگوئی کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم بھی ایمان لے آئیگی اور عذاب سے محفوظ ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں ایک امر قابل غور ان کا مچھلی کے پیٹ میں جانا ہے۔ قرآن مجید کے ان مقامات میں (جو اوپر بیان ہوئے ہیں) کہیں نگل جانے کا تو ذکر نہیں سورہ صافات میں فالتقمہ الحوت کا لفظ آیا ہے جس کے صاف معنے یہ ہیں۔ پس مچھلی نے اسکو لقمہ بنایا لقمہ بنانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقعہ ان کو نگل بھی لیا تھا۔ لقمہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ انہیں منہ میں پکڑا اور کسی وجہ سے باہر نکل گئے۔ اس سورۂ صافات کی آیۃ ۱۲۴ و ۱۲۵ کا ترجمہ یہ ہے کہ

اگر وہ اللہ تعالے کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو اس کے پیٹ میں یوم یبعثون تک رہتا۔ اس سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مچھلی ان کو نگل گئی تھی حالانکہ اسمیں نگلنے کا کوئی لفظ نہیں مطلب صاف ہے کہ وہ خدا تعالے کے مامور و مرسل تھے۔ اور انہیں اپنی دعوت حق کی تبلیغ کر کے اللہ تعالے کے نام کو بلند کرنا تھا اگر یہ

بات ہوتی تو ممکن تھا وہ اس وقت فوت ہو جاتے۔
سورۃ الانبیاء میں (جہاں وہ دعا آئی ہے) اس کا ذکر
اللہ تعالٰے نے یوں فرمایا ہے۔
رکوع ۶ آیۃ ۸۸ و ۸۹۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى
فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

اور ذوالنون کو جب وہ قوم سے ناراض ہو کر چلا گیا
پس اس نے گمان کیا کہ اس پر تنگی نہیں کریں گے پس
اس نے ان مشکلات کی تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے
سوا کوئی معبود مطلوب اور محبوب نہیں۔ تیری ذات
پاک ہے۔ میں ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں
سے ہوں۔ (۸۸)۔

اگلی آیۃ ۸۹ کا ترجمہ یہ ہے۔
پس ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا اور اسے ہم نے
غم سے نجات دیدی (نجیناہ من الغم) اور اسی
طرح پر ہم مومنین کو نجات دیا کرتے ہیں۔

ان دونوں آیات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی نگل جانے کا ذکر نہیں آیتہ ۸۸ میں ہے فنادی فی الظلمات یعنے اس ہم وغم کی حالت میں دعا کی میں یہ ترجمہ اس لئے کرتا ہوں کہ اللہ تعالے قبولیت دعا کے سلسلہ میں فرماتا ہے ہم نے اسکو غم سے نجات دی۔ پس یہ ظلمات ہم وغم ہی کے ظلمات تھے۔
اور دوسری آیتہ ۸۹ میں اللہ تعالے اپنی سنت استمراری کا اظہار فرماتا ہے کذالک ننجی المومنین یعنے جب اللہ تعالے کے مخلص مومنین ہموم وغموم کی تاریکیوں میں مبتلا ہوکر اسے پکارتے ہیں تو اللہ تعالے انکی دعاؤں کو سنتا اور ان کو نجات عطا کرتا ہے۔

غرض یہ حضرت یونس کی دعا ہے اس کے متعلق اس نوٹ میں ضروری بحث ہوچکی ہے اب صرف دعا کو لکھدیتا ہوں (عرفانی کبیر)

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ
(سورۃ الانبیاء رکوع ۶)

آل عمران کی دعائیں

(تمہیدی نوٹ) آل عمران کی دعاؤں سے میری مراد وہ دعائیں

جو حضرت ذکریا علیہ السلام۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ اور خود حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں جو قرآن کریم میں مذکور ہوئی ہیں چونکہ یہ ایک ہی سلسلہ کی دعائیں ہیں اس لئے میں نے ان کو اس عنوان کے نیچے درج کر دیا ہے۔ اور اس سلسلہ کا ذکر ایک مستقل سورۃ آل عمران کے نام سے ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام عمران تھا اور ان کا ایک بھائی ہارون نام کا تھا اس خیال پر عیسائیوں نے خصوصیت سے قرآن مجید پر تاریخی پہلو سے اعتراض کیا ہے کہ یہ ثابت نہیں۔ اس اعتراض کی حقیقت تو کچھ نہیں اگر تعصب اور اسلام دشمنی نہ ہو۔ اول تو یہ کہ کوئی بات نہیں کہ مریم علیہا السلام کے باپ کا نام عمران ہو اگر یہی قرار دیا جاوے کہ عمران حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے باپ تھے اور مریم کو عمران کی ابوت ہارون کی اخوت کی طرف منسوب کیا ہے تو عام اصول کلام کے لحاظ سے یہ جائز ہے کہ خاندان کے بزرگ کی طرف ابوت یا اخوت کی نسبت جائز ہے اس طرح پر مریم علیہا السلام کی نسبت صورت اعلیٰ کی طرف کی گئی۔ بہر حال ان دعاؤں کے ذیل میں حضرت مریم کی والدہ۔ حضرت ذکریا حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور حضرت مریم علیہا السلام کی دعاؤں کو جمع کر دیا گیا ہے (عرفانی کبیر)

حضرت مریم کی والدہ کی پہلی دعا ۲۶

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

(اور جب کہ ایک عمرانی عورت نے دعا کی) اے میرے رب میں نے نذر مان لی ہے کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ تیری راہ میں آزاد (وقف) ہوگا پس تو میری اس دعا (نذر) کو قبول فرمالے تحقیق تو السمیع العلیم ہے (سورۃ آل عمران رکوع ۴ آیۃ ۳)

(تفسیری نوٹ) اس دعا میں عمرانی عورت (مریم کی والدہ) نے اپنی ہونے والی اولاد کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں وقف کر دیا ہے اور اس وقف کی قبولیت کے لئے دعا کی ہے۔

محرر کے معنے ہیں آزاد کر دیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ وہ صرف دین کی خدمت کریگا اسے دنیوی مشاغل سے آزاد رکھونگی۔ نہایت ہی قابل قدر اور واجب التقلید دعا ہے اور پھر عورت کی طرف سے خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت بنی اسرائیل کی اخلاقی اور روحانی حالت بہت گر چکی تھی اور

وقت آپہونچا تھا کہ اسرائیل کے گھرانے سے نبوۃ ختم ہو کر اسماعیلی خاندان میں منتقل ہو جاوے۔

دوسری دعا ۲/۲۷

(تمہیدی نوٹ) جب وہ بچہ پیٹ میں وقف کر دیا تھا پیدا ہوا تو وہ لڑکی تھی اس پر ایک قسم کا فکر دامن گیر ہوا کہ یہ تو لڑکی ہے اسے میں کیونکر ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کر سکوں گی اور یہ کیا کام کر سکے گی اپنے اس تردد اور فکر کو اللہ تعالیٰ ہی کے حضور میں پیش کر کے کہا کہ اے میرے رب میں نے تو لڑکی جنی ہے اور تو خوب جانتا ہے کہ میں نے کیا جنا ہے ظاہر ہے کہ لڑکا اور لڑکی تو برابر نہیں ہوتے ان کے افعال اور مقاصد زندگی علیحدہ علیحدہ ہیں اور یہاں خدمت ہیکل کا سوال ہے جس کے لئے میں نے وقف کیا تھا۔

بہر حال میرے وقف کا یہ نتیجہ ہے۔ میں نے اس بچی کا نام مریم رکھ دیا ہے اب میں تیرے حضور اس کے لئے دعا کرتی ہوں۔

انی اعیذھا بك وذریتھا من الشیطان الرجیم

میں مریم اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم کے اثر سے
محفوظ رکھنے کے لئے تیری پناہ چاہتی ہوں یعنی اس کو
اور اس کی اولاد کو شیطان کے اثر سے محفوظ رکھو۔
تاکہ وہ تیرے عباد میں داخل ہوں جن پر شیطان کا
کوئی اثر اور تسلط نہیں ہوتا۔

(نوٹ) حضرت مریمؑ کی والدہ کی اس دعا سے ظاہر ہے کہ وہ صرف مریمؑ ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کی اولاد کی بھی صیانت من الشیطان کی دعا کرتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جو نعمت تربیت اولاد کے متعلق دی ہے وہ حضرت مریمؑ کی والدہ کی دعا سے بڑھ کر ہے اور اپنے رنگ میں کامل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اول تو نکاح کا مقصد دین قرار دیا کہ تقویٰ کے لئے نکاح کیا جاوے پھر جب میاں بی بی ازدواجی تعلق پیدا کریں تب بھی وہ دعا کریں باوجودیکہ وہ وقت انسان پر ایک غلبہ شہوت کا ہوتا ہے مگر آپ نے فرمایا کہ میاں بی بی ملکر دعا کریں کہ۔

اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا

اے اللہ شیطان کو ہم سے دور رکھو اور جو کچھ تو ہم کو اس تعلق سے عطا فرماوے یعنے اولاد اس سے بھی شیطان کو دور رکھو۔ غرض حضرت مریمؑ کی والدہ نے جو دعا کی وہ قبول ہوئی۔ قرآن کریم نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق پاک الفاظ میں فرمایا۔

ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجہا الاٰیۃ

اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور کتابوں کی تصدیق کی وہ خدا تعالےٰ کے فرمانبردار بندوں میں سے تھی (سورہ مریم آخری آیت)

اس آیت میں حضرت مریم علیہا السلام کے اس اعلیٰ مقام کا ذکر کیا ہے جو مومن کو حصانت فرج کے علہ میں عطا ہوتا ہے اور اس پر شیطان کسی راہ سے حملہ نہیں کر سکتا اللہ تعالےٰ ایسے مومن سے کلام کرتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السّلام کی دُعا

تمہیدی نوٹ حضرت زکریا علیہ السّلام اللہ تعالےٰ کے نبی تھے اور حضرت مریم علیہا السلام کی تربیت اور کفالت ان کے ہی ذمہ قرار پائی تھی۔ وہ حضرت مریمؑ کی روحانی تربیت فرما رہے تھے قرآن کریم میں اس کا ذکر آیا ہے کہ جب حضرت زکریاؑ ہیکل میں جاتے تو جناب مریمؑ کے پاس رزق پاتے قرآن کریم نے اس کی تصریح نہیں کی اور نہ ضرورت تھی حضرت زکریاؑ جب دریافت کرتے تو حضرت مریمؑ نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ کی عطا ہے حضرت مریمؑ کی اس پاک سیرۃ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے قلب میں اولاد کے لئے دُعا کی تحریک کر دی چنانچہ جہاں یہ دُعا ہے وہاں اس تقریب دُعا کو پہلے پیش کیا ہے (سورۂ آل عمران رکوع ۴ آیة ۳۶، ۳۷) میں یہاں صرف حضرت زکریا کی دعا کو لکھونگا۔ (عرفانی کبیر)

دُعائے زکریا ۲۸

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝

اے میرے رب اپنی جناب سے مجھکو پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو دعا کو سننے والا ہے۔

تفسیری نوٹ حضرت زکریا کی اس دعا کا محرک اول تو حضرت مریمؑ کی معصومانہ زندگی اور اس کا وہ پاک جواب تھا جو حضرت زکریاؑ کے استفسار پر اس نے دیا تھا لیکن اس کے علاوہ حضرت زکریاؑ بنی اسرائیل کی عام حالت اور قساوت قلبی کو دیکھتے تھے اور انھیں صدمہ ہوتا چنانچہ سورہ مریم میں ان کی دعا کی تحریک میں اس خوف کا اظہار کیا گیا ہے۔

(سورۂ مریم پارہ ۱۶ رکوع اول آیتہ ۴ سے ۶ تک)

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ
الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ
شَقِیًّا ۝ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ
وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ
وَلِیًّا ۝ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝

(زکریا نے یوں دعا کی) اے میرے رب میری ہڈیاں
سست ہوگئی ہیں اور بڑھاپے سے میرا سر سفید ہوگیا

(تو میری دُعا سن کیونکہ) میں کبھی تیرے حضور دعا کر کے
نا اُمید نہیں ہوا (۴) اور میں اپنے بعد اپنے ورثا سے ڈرتا
ہوں (کہ ان میں کوئی نیک نظر نہیں آتا) اور میری بیوی
بھی بانجھ ہے پس تو ہی (محض اپنے فضل سے) اپنے
حضور سے مجھے ایک وارث عطا فرما (۵) جو میرا
اور یعقوب کے خاندان کا (نبوی علوم میں) وارث ہو اور
اُس کو اپنے حضور پسندیدہ فرما اور وہ تیری رضا کو حاصل
کرنے والا ہو (۶) میں نے اپنے ترجمہ القرآن میں سورۂ
مریمؑ کی تفسیر میں بحمد اللہ نہایت لطیف بحث کی ہے
یہاں مجھے اتنا ہی ذکر کرنا ہے حضرت زکریا کی دعا
کا محرک بنی اسرائیل کی دینی حالت کی خرابی
تھی۔ ان کا خوف اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ دنیوی مال
و متاع رکھتے ہوئے اُس کے لیے وارث چاہتے
تھے انبیاء کی وراثت وہ ہدایت اور صداقت
ہوتی ہے جو وہ لیکر آتے ہیں اور اسی کے عملی قیام
اور حفاظت کے لئے ان میں تڑپ ہوتی ہے پس
اس دُعا کا یہی مقصد تھا۔

اِس دُعا سے ہم جو سبق لے سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ ہم نیک سعادت مند اولاد کی خواہش کریں اور ایسی اولاد کی جو خادم دین ہو۔ اور اپنی اولاد کے متعلق یہ جذبہ بھی پیدا کریں کہ وہ خدمت دین کے لیئے وقف ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دُعا سورہ الانبیاء رکوع ۶ میں بھی آئی ہے۔ وہاں یوں دعا کی کہ اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑیو۔ اور آپ تو سب سے بہتر وارث ہیں۔

وارث کی تصریح اوپر کر چکا ہوں کہ وہ خادم دین اور اعلان حق وصداقت کرنے والے بیٹے کی دُعا مانگتے تھے اور اللہ تعالٰے نے اسے قبول فرما کر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دیتے ہیں جو خدا تعالٰے کے حضور پاکباز اور خدا کا نبی ہوگا

۲۹ حضرت مسیح علیہ السّلام کی دُعا

تمہیدی نوٹ حضرت مسیح ابن مریم علیہما السّلام کی زندگی اور موت ایک معرکہ الآراء مسئلہ ہے کسی نبی کی زندگی اور موت اس قدر پیچیدگیوں کا باعث نہیں جس قدر حضرت مسیحؑ کی ہے حضرت مسیح ابن مریم بنی اسرائیل کے خاندان کے آخری نبی تھے اس کے بعد اس خاندان سے نبوۃ حضرت اسماعیل علیہ السلام

کے خاندان میں منتقل ہوئی۔ اور اسماعیلی نسل سے ایک ایسا عظیم الشان نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوا۔ جو تمام نبوتوں کا جامع اور قصر نبوۃ کی تکمیل کا باعث تھا حضرت مسیح کی پیدائش کے متعلق یہ بحث ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے یا ان کا باپ تھا قرآن مجید نے صراحت سے بتایا ہے کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے تھی۔ اور اس میں بھی راز تھا کہ خاندان اسرائیل میں آئندہ نبی نہ ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے متعلق بھی ایک جھگڑا ہے عیسائی کہتے ہیں وہ صلیب پر مر گئے اور تیسرے دن زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ قرآن کریم کا فیصلہ بھی اس بارہ میں یہ ہے کہ وہ صلیب پر چڑھائے گئے لیکن ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی جیسا کہ حضرت مسیح کے ایک مرید یوسف ارمتیا نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا فوراً ان کی لاش کو لے لیا۔ اور زخموں کا علاج کیا گیا جس کے لئے مرہم عیسیٰ نام ایک دوا تجویز کی گئی تھی۔ اور مخفی طور پر حضرت مسیح شام سے نکل کر کشمیر میں آکر مصروف تبلیغ رہے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی اور سری نگر کے محلہ خان یار میں ان کی قبر ہے۔ یہ ایک حقیقت اور صداقت ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو انکی

زندگی میں بہت تھوڑے آدمیوں نے قبول کیا۔ تیسری صدی مسیحی میں عیسویت کی ترقی ہوئی اور اب وقت آگیا ہے کہ صلیبی مذہب پاش پاش ہو جاوے چنانچہ اس کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں دعاؤں پر بڑا زور ہے اور اکثر وقت ان کا دعاؤں میں گذرتا تھا اور تمام انبیاء علیہ السلام کی یہی حالت ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف ایک دعا مذکور ہے اور یہ دعا انھوں نے حواریوں کی تحریک اور سوال پر کی۔ اس دعا کے متعلق بحثیں ہیں کہ یہ دعا کی گئی تو نزول مائدہ ہوا یا نہیں یا وہ کیا تھا ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں یہاں صرف اس دعا کو پیش کرنا ہے۔ (عرفانی کبیر)

وہ دعا یہ ہے۔ ا

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ،

اے اللہ ہمارے رب اتار ہم پر خوانِ کرم آسمان سے اتار جو کہ ہو ہمارے لئے عید ہمارے پہلوں اور پچھلوں کیلئے اور نشان ہو تیری طرف سے اور رزق دے ہم کو اور تو ہی بہتر رزق دینے والوں سے ہے۔

حضرت مسیح علیہ السّلام کے حواریوں کی دُعا نمبر ۳

(تمہیدی نوٹ) حضرت مسیح علیہ الصلواۃ والسلام نے جب دعوت الی الحق کا کام شروع کیا تو یہودیوں نے ان کی بے حد مخالفت کی باوجود اس مخالفت کے وہ اپنے پیغامِ حق کے پہونچانے میں سرگرم تھے اور جیسا کہ قدیم سے سنت الٰہیہ ہے علماءِ یہود اور اکابر بنی اسرائیل نے تو آپ سے بغاوت ہی کی لیکن اسی سنت ربّانی کے ماتحت بعض غریب ماہی گیر اور دوسرے اسی حیثیت کے لوگوں نے آپ کو قبول کرلیا دنیا کی نظر میں یہ لوگ حقیر اور جاہل ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ سعادت اور علم صحیح ان کو ہی دیا گیا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے مامور کو شناخت کرلیا اور نہ صرف شناخت کیا بلکہ اس کی معیت اور شرف معیت سے فیض یاب ہوئے اور جب حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے ابنائے زمانہ کی سازشوں اور سرکشیوں سے تنگ آکر پکارا
من انصاری الی اللہ تو اس جماعت نے (جن کو قرآن مجید نے
حواریین کہا ہے) جواب دیا نحن انصار اللہ گویا یہ انصار اللہ
کی جماعت تھی۔ یہ بہت بڑا عزم اور عظیم الشان ذمہ داری کا عہد
تھا اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انھوں نے اللہ تعالےٰ سے
دعا کی اور ان کی اس دعا میں یہ سبق ہے کہ ہر شخص جو اللہ تعالےٰ
کے مامور کی شناخت و تصدیق کی توفیق پائے اسے چاہیے
کہ دعاؤں سے کام لے (عرفانی کبیر)

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ

اے ہمارے رب جو کچھ تو نے حضرت مسیح پر نازل کیا ہے
ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم نے رسول کی پیروی کی
پس تو ہم کو (دین حق) کی شہادت (گواہی) دینے
والوں میں لکھ لے۔ (سورۃ آل عمران رکوع ۵ آیۃ ۵۳)

(تفسیری نوٹ) قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے
حواریوں کا جو ذکر کیا گیا ہے بلا استثنیٰ اللہ تعالےٰ نے ان کی
ایمانی حالت اور استقامت فی الدین کا ذکر کیا ہے ان کو

حضرت مسیح علیہ السلام کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے حوارین کہا اور نصرت دین کے لئے قدم اٹھانے اور مستعد ہنے کی وجہ سے وہ انصار اللہ کہلائے یہی نہیں بلکہ اللہ تعالے نے ان کو شرف مکالمت عطا فرمایا چنانچہ سورہ مایدہ میں فرمایا۔

واذا وحیت الی الحوارین

اور جب کہ میں نے حواریوں پر وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ تو انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور اے خدا تو گواہ رہ کہ ہم یقیناً فرمانبردار ہیں۔

قرآن مجید اور انجیل کے بیانات میں یہاں اور بعض اختلافات ہیں حواریوں کے متعلق انجیل کے بعض مقامات میں ان کو بزدل اور منافق ظاہر کیا ہے۔ میں اس محرف و مبدل کتاب (جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں لکھی نہیں گئی اور نہ کسی الہام سے لکھی گئی) کے بیان کو قابل تسلیم نہیں سمجھتا میرے لئے اصل ہدیت نامہ قرآن مجید ہے وہ اس جماعت کی ایمانی صلاحیت اور استقامت اور خدمت دین کی تائید کرتا ہے

بلکہ انصار اللہ ہونے کے لئے ان کی ہی نظیر پیش کرتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا احسان عظیم ہے کہ جس طرح پر اس نے حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام کا دامن پاک کیا اسی طرح پر مسیح کی وفادار جماعت کی شان کو بیان کر کے عیسائیوں کے لگائے ہوئے عیوب سے پاک کیا۔

حیرت مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف قرآن مجید نے حواریوں کی عظمت بیان کی ہے دوسری طرف مسیح علیہ السلام کے واقعہ وفات کی غلط تعبیر میں اسرائیلیات پر بعض مفسرین نے حصر کر لیا۔ کہ ان کے ایک حواری کی شکل ایسی بن گئی تھی جس نے اسے گرفتار کرایا تھا۔ ہم کو اپنے نقطۂ خیال کو قرآن کریم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں اور قرآن مجید اس جماعت کی دینی خدمت اور استقامت کا اعتراف کرتا ہے اور اس پر اللہ تعالے کی شہادت ثبت ہے۔

۳۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا

تمہیدی نوٹ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے۔ نبی اور بادشاہ تھے قرآن مجید نے حضرت سلیمان

یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر اسی رنگ میں کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تمام نبوتوں کے جامع تھے اور وہ تمام ممالک آپؐ یا آپؐ کے خدام کے زیرنگیں آنے والے تھے جہاں انبیاء سابقین کی بعثت ہوئی یا بہ حیثیت بادشاہ ان کی توسیع ہوئی۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام میں نبوت اور ملوکیت کی دو نوں شانیں جمع تھیں اور اللہ تعالےٰ نے ان دونوں کو اپنی نعمت قرار دیا ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ رکوع ۴ آیت ۲۰ میں فرمایا۔

"اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کو کہا کہ اے قوم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیں۔

(وہ کیا نعمتیں تھیں؟) تم میں اس نے نبیوں کو بھیجا اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو اس وقت کی قوموں میں سے کسی کو نہ دیا تھا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں تفصیل سے آیا ہے مجھے یہاں ان کی دعاؤں کا ذکر کرنا ہے۔ میں نے اسی نکتہ معرفت کا بارہا ذکر کیا ہے کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ان کی تمام نبوتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع اور مکمل و متمم ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو

فضل اور انعامات ہوئے تھے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے خدام پر ہونے والے تھے اور جب قرآن مجید کی تلاوت میں ان کی دعا کو دوہراتے تو وہ آپؐ کی بھی دعا ہوتی۔

اس سلسلہ میں مجھے ملکہ سبا کا بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کیونکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ داخل اسلام ہوئی اور اس نے بھی دعا کی سبا اُمم قحطانیہ کی ایک شاخ ہے ان کی کئی شاخیں تھیں۔ اصل مرکز اس قوم کا عرب کے جنوب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا اور اس قوم کا دائرہ حکومت وہ تک تھا۔ ملکہ سبا کے متعلق اس کی سکونت کے متعلق اختلاف ہے مجھے اس میں جانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ قرآن کریم اس بحث میں نہیں پڑتا۔ تاریخی شواہد سے مرکز حکومت یمن ہی تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں یہ قوم آفتاب پرست تھی اور حضرت سلیمان نے ایک نہایت لطیف انداز میں اس کو توحید باری کا یقین دلایا جس پر وہ مسلمان ہوگئی۔ (عرفانی کبیر)

حضرت سلیمان کی دعا

رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ

وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (سورہ نمل پارہ ۱۹ رکوع ۲ آیۃ ۲۰)

اے میرے رب مجھ کو توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں وہ نعمت جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو بخشی اور (وہ شکر یہی ہے کہ) میں ایسے اعمال صالحہ بجا لاؤں جو تیری رضا کا ذریعہ ہوں اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔

(تفسیری نوٹ) اس دعا سے پہلے قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کے وادی نملہ میں ورود کا واقعہ بیان کیا ہے اور نملہ ایک قوم تھی جو نواح یمن میں رہتی تھی حضرت سلیمانؑ کی شان وشوکت کو دیکھ کر اس قوم کے ایک سردار یا بزرگ قوم نے اپنی قوم کے لوگوں کو آگاہ کیا کہ سلیمان کا مقابلہ اچھا نہیں اس کے لشکر ہمیں کچل ڈالیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اپنی قوت ونفوذ پر غور کیا تو چونکہ وہ نبی تھے اللہ تعالٰی کے اس انعام اور فضل پر بے اختیار ہو کر دعا کی طرف متوجہ ہوئے۔

اور اپنی دعا میں اولاً توفیق شکر چاہی اس نعمت پر جو ان کے اور ان کے ماں باپ کو عطا ہوئی تھی پھر اس توفیق شکر

کے لئے اس طریق عمل کے لئے درخواست کی کہ وہ زبانی شکر نہیں بلکہ یہ کہ مجھ سے جو فعل سرزد ہو اس میں میری اور دوسروں کی اصلاح ہو اس کا نتیجہ خود برکت ہو اس میں کسی قسم کی ریاکاری اور نفسیانیت نہو۔ میں ایسے کام کروں جو تیرے پسندیدہ ہوں اور تیرا فضل ہی میری دستگیری کرے تاکہ میں تیرے صالح بندوں میں داخل ہو جاؤں پس اس دعا کے یہ اجزا ہیں اول توفیق شکر نعمت۔ دوم دعائے اعمال صالحہ۔ جو ذریعہ رضائے الٰہی ہوں اور جماعت صالحین میں داخل ہونا۔

اے اللہ میرے اور میری اس کتاب کے پڑھنے والوں کے لئے بھی اس دعا کو قبول فرما۔

(عرفانی کبیر)

ملکہ سبا کی دعائے توبہ ۳۱

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئی۔

(سورہ نمل پارہ ۱۹ رکوع ۲ آیۃ ۴۵۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام کی ایک دُعا ۳۲

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دُعا سورہ صٓ پارہ ۲۳ رکوع ۳ آیت ۳۵ میں ہے اور اس طرح پر ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔

اے میرے رب میری حفاظت فرما اور مجھے وہ بادشاہت
عطا فرما جو میرے بعد کسی کو شایان نہیں (کہ چھین لے)
بے شک آپ تو بہت ہی عطا فرمانے والے ہیں۔

(تفسیری نوٹ) یہ سورہ صٓ مکّی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن مجید کی حقیقت کے دلایل مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ان تمام کمالات اور انعامات کا آپ کی ذات میں جمع ہو جانا مراد ہے جو سب کو منفرداً دیئے گئے ہیں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے اذکار سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود میں نبوۃ اور سلطنت کے انعامات کے جمع ہونے کی بشارت ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا بتاتی ہے کہ اصل ذریعہ قبولیت دُعا کا استغفار پر مداومت ہے۔ اس دُعا کے متعلق بعض

لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ حضرت سلیمان نے نعوذ باللہ دنیا کی لازوال سلطنت کی دعا کی اور ایسی سلطنت کہ کسی اور کو نہ دی جاوے۔ اس قسم کا اعتراض جو شان نبوۃ کے خلاف ہو کسی نبی پر نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت سلیمان کے متعلق قطعاً نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کو ع میں اللہ تعالیٰ سلیمان کے متعلق فرماتا نعم العبد انہ آداب دعا کا مفہوم بالکل صاف اور واضح ہے اللہ تعالیٰ کے بندے اور فرمانبردار بندے کی انتہائی اور آخری دعا تو یہی ہوتی ہے کہ اسے آسمانی اور غیر فانی بادشاہت نصیب ہو۔ جس کو کوئی چھین نہیں سکتا۔ دنیا کی سلطنتوں پر تو آئے دن بلائیں اور انقلاب آتے رہتے ہیں لیکن یہ سلطنت ایسی ہے کہ اس پر کوئی انقلاب نہیں آسکتا۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا اولاً یہی رنگ رکھتی ہے کہ مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ کوئی اسے چھین نہ سکے دراصل لاینبغی لاحد کے ترجمہ میں لوگ غلطی کھاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سلیمانی شوکت اقبال بھی جمیع تھا اور آپ کو وہ بادشاہت دیگئی کہ دنیا میں کسی اور کو نہ ملی۔ اس لیے کہ آپ کی نبوۃ تمام کرہ انسانیت تھی کوئی خاص ملک قوم مخصوص نہ تھی بلکہ للعالمین نذیرا اور رحمۃ العالمین ہو کر آئے صلی اللہ علیہ وسلم وبارک۔

(عرفانی کبیر)

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دعائیں

(تمہیدی نوٹ)

حضرت ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السّلام حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل میں سے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے باپ کے متعلق علماء انساب اور بائبل کے بیانات اور قرآن مجید کی اس آیت وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (سورۂ انعام آیۃ ۷۴) اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آذر کو کہا کیا تو بتوں کو اللہ بناتا ہے۔ یہ اجتہاد کر کے ایک اختلاف ان کے باپ کے نام میں پیدا کیا ہے اور اس پر بڑی طویل اور عجیب بحثیں کی ہیں۔ میری اس کتاب کا موضوع سوانح حیات یا تاریخ انساب نہیں یہ سب کو مسلّم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد سے ہیں

مستشرقین کی نکتہ چینی کا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی شخصیت

کے سلسلہ میں مستشرقین نے بھی اسلام پر تاریخی حیثیت سے اعتراض کا بہانہ تلاش کیا ہے۔ مستشرقین اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے بڑی کدوکاوش سے کام لیتے ہیں اُنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی شخصیت پر اِس حیثیت سے اعتراض کیا ہے کہ قرآن کریم کی مکّی سورتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو معمار بیت اللہ۔ یا حضرت اسماعیلؑ کا باپ نہیں ظاہر کیا گیا اپنے اس بیان کی تائید میں وہ سورہ الذاریات الحجر۔ الصافات۔ الانعام۔ ہوؔد۔ مریم۔ انبیاء اور عنکبوت کا حوالہ دیتے ہیں اس اعتراض کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر حملہ کرنا ہے۔

مستشرقین کے اس اعتراض کی تفصیل اور اس کے جواب کی وضاحت بجائے خود ایک مستقل مضمون کو چاہتی ہے لیکن میں مختصراً یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان مستشرقین کی یہ علمی بددیانتی ہے کہ انہوں نے اعتراض کے لئے چند مکّی سورتوں کا حسب مطلب انتخاب کر لیا۔ جن میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا تذکرہ ایک نبی کی حیثیت سے کیا ہے حالانکہ قرآن مجید میں ایک مخصوص سورۃ ابراہیم موجود ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی شخصیت کے ہر پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔

سورۂ ابراہیم کے متعلق یہ متفق علیہ اعتراف ہے کہ وہ مکّی ہے

اور اس سورہ میں مستشرقین کی بد دیانتی کو واضح کر دیا گیا ہے قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس پر جس قسم کا اعتراض کسی بھی زمانہ میں کیا جائے اس کا جواب قرآن کریم ہی میں موجود ہوتا ہے۔ یہاں مستشرقین نے ابراہیمؑ کی شخصیت کے متعلق یہی ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان کا عرب سے کوئی تعلق نہیں وہ بیت اللہ کے مؤسس و معمار نہیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی ابوت سے بھی انکار کیا محض اس اختراعی کلیہ کی بنا پر کہ مکی سورتوں میں اس کا ذکر نہیں ان کی مغالطہ آفرینی اور سحر طرازی کے بت کو قرآن کریم نے پاش پاش کر دیا۔

سورۃ ابراہیم جو مخصوص سورۃ آپ کے نام پر ہے وہ ان تمام امور کی وضاحت کرتی ہے اور یہ سورۃ مکہ معظمہ ہی میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ کے سرسری مطالعہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے مکہ میں قیام کیا اور اپنی اولاد (اسمٰعیل علیہ السّلام) کو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد کیا اور ان کے لیئے دعائیں کیں اور خدا کے گھر کو تعمیر کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے بڑے اضطراب و التہاب سے دعائیں کیں۔ پھر قرآن مجید کی بعض دوسری مکی سورتوں (انعام۔ نحل) میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی شخصیت ابو الملۃ ہونیکی حیثیت سے نمایاں ہے۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ مستشرقین اپنے بغض و عناد میں اس قدر اندھے ہو گئے کہ اُنہوں نے توریت کے اس اعتراف کو بھی پس پشت ڈال دیا جس میں صراحت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہی حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے باپ ہیں اور اسماعیلؑ کی اولاد سے برکات کے وعدے ہیں غرضکہ مستشرقین کے اعتراضات سراسر بے بنیاد اور محض عداوت محمدیہ کا نتیجہ ہیں۔

حضرت ابراہیم کا ذکر قرآن کریم میں۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر ۲۵ مختلف سورتوں میں آیا ہے قرآن مجید جیسا کہ ہم نے ہمیشہ بیان کیا ہے تاریخی اسلوب پر واقعات کو بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے مدِ نظر ایک خاص مقصد اور موضوع ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام ایسی قوم اور خاندان میں پیدا ہوئے تھے جو بت پرستی کرتے تھے اور رب النوع کے قایل تھے لیکن حضرت ابراہیمؑ شروع ہی سے اپنی فطرت صحیحہ سے کام لیتے اور اللہ تعالیٰ کی عطا قلب سلیم کو اپنا رہنما بناتے تھے اُنہیں بت پرستی اور بت سازی سے نفرت تھی، اور اس کے لئے اپنے بزرگ خاندان آذر کو بھی منع کرتے تھے۔

قرآن مجید کے مختلف مقامات پر یکجائی نظر کرنے سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی سیرت پر صاف روشنی پڑتی ہے اور یہ بہت ہی لذیذ

مطالعہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا فکری اور مذہبی ارتقاء
اس سے ظاہر ہوتا ہے ان کے طریق مناظرہ اور اتمام حجت کا
پتہ لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور توکل ثابت ہوتا ہے۔ حق
کے اظہار کے لئے کسی بھی قوت وطاقت سے ہراسان نہ ہونا ان کے
لئے سہل اور آسان ہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری
اور اس راہ میں جاں نثاری اور ہر ایک قسم کی قربانی میں ثابت قدم
ثابت ہونے پر امام النّاس ہونے کی بشارت اور آپ کی اولاد
میں برکات کا وعدہ جناب باری سے ہوا۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ
نے انسانوں کے لئے ایک اسوہ قرار دیا چنانچہ فرمایا

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہٗ

(سورۃ ممتحنہ آیت ۵) بے شک ابراہیم علیہ السّلام
اور آپ کے رفقاء کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے جبکہ انہوں
نے اپنی قوم کو صاف اور کھلے الفاظ میں بتا دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے
معبودوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور ہمارے تمہارے درمیان کھلم
کھلا دشمنی اور بغض کا اظہار ہے جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید پر
ایمان نہ لاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی زندگی ایک سبق دیتی ہے کہ

حق اور توحید ربانی کے معاملہ میں ہر مالوف چیز چھوڑی جا سکتی ہے
غرض قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر بڑی وضاحت سے
کرتا ہے ان کی ابتدائی زندگی میں ہی رشد و ہدایت کا پایا جانا اور اولاً
اپنے آپ آذر اور قوم پر اتمام حجت کیا اور نہایت لطیف اور عام فہم
طریق پر رد شرک اور دعوت توحید دی۔ مگر آذر پر اس کا اثر نہ ہوا بلکہ
اس نے سنگسار کر دینے کی دھمکی دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام
نے اس کے رشتہ کے احترام کو تو قائم رکھا مگر اللہ تعالیٰ کی کامل
فرمانبرداری کیلئے قطع تعلق کو آسان سمجھا۔ اسی طرح قوم پر اتمام حجت
کیا بالآخر حاکم وقت جس کا نام قرآن کریم نے تو نہیں لیا مگر کہا جاتا ہے
کہ اس کا نام نمرود تھا اس سے مقابلہ ہوا۔ اور کھلے مناظرہ میں اس
کو عقلی دلائل سے شکست دیدی قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام
کے مناظرات اور اسلوب خطابت کو دیکھتا ہوں تو بے اختیار
درود پڑھتا ہوں۔

غرض اس طرح پر اپنے خاندان قوم اور بادشاہ پر اتمام حجت
اور اس راہ میں ہر قسم کے مصائب اور ابتلاؤں کو برداشت کرتے
ہوئے بالآخر وہ وقت آپہنچا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت
حضرت اسماعیل علیہ السّلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام

کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آئے اور فی الحقیقت اپنے اس فعل سے جو خدا تعالیٰ کی رضا اور ارشاد کے ماتحت ہوا اس وادی غیر ذی زرع میں ان برکات اور مبشرات کا بنیادی پتھر رکھ دیا جن کے ذریعہ آپ کو غیر فانی اور ابدی زندگی عطا ہونے والی تھی۔ اس لئے کہ آپ کی نسل سے ہی وہ عظیم الشان نبی مبعوث ہونے والا تھا جس کی نبوت کا دامن قیامت اور اس کے بعد کی زندگی تک وسیع اور جس کی شریعت کامل اور ابدی شریعت قرار دی جا چکی تھی۔ اور اس نبی کی بعثت اور اس کی ذات سے وابستہ برکات کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قلب میں ایک جوش اور اضطراب پیدا کر دیا جو دعائے ابراہیمی بن کر نمودار ہوا۔ یہ ہے وہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السّلام جنکی دعاؤں کو قرآن کریم سے میں بیان کرنے کی توفیق پاتا ہوں۔ واللہ المستعان

عرفانی کبیر

۴۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعاء

یہ دعاء حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس وقت کی جبکہ وہ اپنے اَبْ اور اپنی قوم کو تبلیغ حق کر رہے تھے۔ یہ سورۂ شعراء میں آئی ہے جو مکّی سورت ہے اور اس طرح پر کفّار مکّہ کو اُن کے جدِّ اعلیٰ کے طرزِ عمل کو پیش کیا ہے۔ سورہ شعراء کا جو پانچواں رکوع حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ذکر سے شروع ہوتا ہے یہ نہایت لطیف طریق اتمام حجت ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ

ان کو ابراہیم کے واقعات پڑھ سناؤ کہ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو اس طرح پر خطاب کیا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں اور ان کی ہی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

ابراہیم نے پوچھا کیا یہ مورتیاں جب تم ان کو پکارتے ہو تمہاری بات سنتی ہیں یا ان سے تم کو کوئی نفع یا نقصان پہونچتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ سنتے تو نہیں مگر ہم نے اپنے آباء اجداد کو

ایسا ہی کرتے پایا ہے۔

اس طرح پر اتمام حجت کرتے ہوئے ان کے معبودان باطلہ کی تردید کی پھر اس دعوتِ توحید کو پیش کیا جو آپ لیکر آئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو پیش کیا میں تو رب العالمین کو پیش کرتا ہوں میرا رب وہ ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا اور وہی مجھے ہدایت دیتا ہے اور وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ جزا و سزا کے وقت میری خطاؤں کو معاف کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے اظہار پر آپ کے قلب میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے اور دعار کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور وہ دعار یہ ہے۔ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۝ وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝ وَاجْعَلْنِي مِن وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝

ترجمہ

اے میرے رب مجھے حکمت عطا فرما اور صالحین سے ملا

اور میرے لئے آئندہ آنے والی نسلوں میں ذکرِ خیر جاری رکھ اور مجھے نعمتوں والی جنتوں کے وارثوں میں بنا اور میرے باپ کو بخش دے وہ گمراہوں میں سے ہے اور مجھے اُس دن رسوا نہ کیجیو جس دن لوگ اُٹھائے جائیں گے اور وہ وہ دن ہے جس دن مال اور اولاد کام نہ آئے گی۔ مگر وہ جو قلب سلیم لے کر اللہ کے حضور آئے۔

نوٹ۔ اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے چھ باتوں کے لئے دعا کی ہے اول یہ کہ مجھے حکمت اور قوت فیصلہ عطا فرما۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر مختلف انبیاء علیہم السّلام کے ذکر میں آتا ہے کہ ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا حکم حکومت کو بھی شامل ہے مگر دراصل قوتِ فیصلہ اور کار فرمائی کی قوت پر بولا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اس دعا کی قبولیت اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے اپنی قوم اور اپنے ملک کے بادشاہ سے جو مناظرات کئے ان میں اس قوت کا کس قدر ثبوت ملتا ہے۔

نہایت واضح الفاظ میں قرآن مجید مختلف رنگوں میں اسے پیش کرتا ہے ایک جگہ فرمایا۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ اسی طرح قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر جہاں

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر آیا ہے غور کرنے سے یہ حقیقت صاف سمجھ میں آجاتی ہے اور انبیاء علیہم السّلام کے ذکر میں حکم اور علم اور کہیں حکم و نبوۃ کے عطا ہونے کا اظہار ہے۔

دوسری چیز جو اس دعا میں آپ نے طلب کی وہ لحاق بالصالحین ہے۔ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السّلام کے جن صفات حسنہ کا ذکر کیا ہے وہ ان کے صالحین میں ایک رفیع الشان ہونے کا اظہار ہے کبھی انکو اوّاہ حلیم فرمایا اور کبھی صدیقاً نبیاً کہا۔ منعم علیہ جماعت میں نبوّۃ تو اعلیٰ درجہ کا مقام ہے اور صالحین ابتدائی درجہ ہے قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق تمام مدارج کا ذکر کیا اور سورۃ النحل رکوع ۱۵ آیۃ ۱۹او میں فرمایا۔ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یعنی یقیناً ابراہیم (اپنی شخصیت میں) بمنزلہ امّۃ (قوم) تھا اللہ کے حضور جس کا ہو کر ہر قسم کی بناوٹ سے بچا ہوا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا وہ تو اللہ کی نعمتوں کا شکر بجا لانے والا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے چن لیا اور صراط مستقیم پر چلا دیا۔

ﷺ۔ الامّۃ کے معنی ہیں ایسا آدمی جس کی کوئی نظیر نہ ہو۔ معلم الخیر۔ خلاصہ یہ کہ ابراہیمؑ ہر خیر کی جامع نیکی کی تعلیم دینے والا امام۔ ان معنوں پر غور کرتے وقت اِنّی جاعلک للناس اماماً وہی مدنظر رکھو۔

(عرفانی کبیر)

تیسری بات آپ نے یہ طلب کی کہ آنے والی نسلوں میں ذکر خیر جاری رہے اور ہر نماز میں آپ پر درود پڑھا جاتا ہے۔ اور باقی امور کی دعاؤں کی قبولیت ان امور سے ظاہر و ثابت ہے۔

۳۴/۲ ابراہیم علیہ السّلام کی ایک اور دعا

(تمہیدی نوٹ) جیسا کہ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے برگزیدہ فرمایا اور منصب نبوۃ، صدیقیت عطا فرمایا اور علم و حکمت عطا کی۔ اور مختلف قسم کے امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور اپنی کامل فرمانبرداری اور حنیفیت کا ثبوت پیش کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اے ابراہیم میں تجھے لوگوں کا امام بناؤنگا۔ قائد ملت کے فرائض بڑے نازک اور اہم ہوتے ہیں انکو مدنظر رکھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی ہے جسے میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں یہ دعا سورۃ ممتحنہ پارہ ۲۸، رکوع اول کی آیتہ ۵ اور ۶ میں آئی ہے اور اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی زندگی کو بطور نمونہ کے پیش کیا ہے۔

(عرفانی کبیر)

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ج إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ۔ اے ہمارے رب ہم نے آپ ہی پر بھروسہ کیا ہے اور حضور ہی کی طرف رجوع کیا ہے اور انجام کار آپ ہی کی طرف آنا ہے۔

اے ہمارے رب! ہم کو ان لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا جو کافر ہیں۔ اے ہمارے رب ہماری حفاظت فرما بے شک تو العزیز الحکیم ہے۔

تفسیری نوٹ | اس دعا میں پہلے قبول ہونے والی دُعاء کا ایک اصل بنایا ہے کہ انسان کامل طور پر تبتل الی اللہ کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا ماویٰ و ملجا یقین کرے جب تک توثیق یقین پیدا نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کو قادر یقین نہ کرے وہ دعا کرنے میں کامل نہیں ہوتا۔ اسلئے ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی حالت کا اظہار کیا تب اصل مقصد کے لئے دعا کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اس دعا کے متعلق علماء نے اپنے اپنے رنگ میں بحث کی ہے۔ اس دعا میں لفظ فتنہ قابل غور ہے

کہ فتنہ سے کیا مراد ہے؟

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے ایک جامع مفہوم کے لحاظ سے فتنہ سے مراد ہر وہ امر ہے جس کے ذریعہ آزمائش و امتحان ہو۔ قرآن کریم میں مال و اولاد اور مناصب جاہ وغیرہ کو بھی فتنہ قرار دیا ہے کہ انکے ذریعہ انسان کی ایمانی قوت و غیرت اور اخلاقی طاقتوں کا امتحان ہو جاتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے سونے کو کھٹالی میں ڈال کر میل کچیل سے پاک کر دیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام تو ہر قسم کے امتحانات میں کامیاب ثابت ہو چکے مگر یہاں وہ یہ دعا، کرتے ہیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا۔ اس کا مفہوم اور مطلب سمجھنے کے لئے اس دعا، سے آگے کی آیتہ کو خاص تعلق ہے وہاں فرمایا

یقیناً تمہارے لئے انمیں بہترین نمونہ ہے۔ اور اس سے پہلی آیتہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور آپ کی جماعت مومنین علے الاعلان باطل پرست کفار اور ان کے معبودوں سے اظہار برأت کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ تمہاری ہماری باہم دشمنی کی یہی وجہ ہے جب تک تم خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لاتے یہ

دور نہیں ہوسکتی ایمان باللہ ہی اس عداوت کو محبت اور اخوت سے بدل سکتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے اس مومنانہ اعلان کو مدِنظر رکھ کر اس دعا کی اہمیت اور خود حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مقام کی عظمت کھل جاتی ہے۔

اس دعا کا پس منظر یہ ہے کہ مولیٰ کریم! میری عملی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ نہ پیش آئے جس سے میرے اس اعلان میں فرق آجاوے یعنی کوئی تحریص و ترغیب اور کوئی خوف مجھے اس مقام سے ہٹا نہ دے۔ میرا ہر فعل ہر قول ہر حرکت و سکون اپنے اندر وہ جامعیت اور خوبی رکھتی ہو جسے تو نے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ یعنی وہ میرے کسی عمل سے ٹھوکر نہ کھائیں دوسرے معنے اس کے یہ بھی ہیں کہ رب کریم! تو ہم پر کافروں کو ایسے رنگ میں مسلط نہ کردینا اور انکو ایسی قوت نہ دے کہ وہ اپنے ظلم وجور سے یا دوسرے طریقوں سے ہم کو صراط مستقیم سے ہٹا سکیں۔

عبرت آجکل ہندوستان کے انقلاب حکومت نے اس کا نمونہ دکھایا کہ بہت سے کمزور طبیعت کے مسلمانوں کو جبر و ظلم سے ہندو یا سکھ بنا دیا گیا

اَللّٰھُمَّ اٰمِنَّا وَلَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ہ

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دوسری دعائیں

تمہیدی نوٹ

میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی جن دعاؤں کا اب ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ دعائیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور دنیائے اسلام ہی نہیں کل دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان باب کا آغاز اور بنیاد ہیں۔ ان دعاؤں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام بھی شامل ہیں۔ اس لئے ان دعاؤں کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے مختصر تاریخی واقعات کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ہاں (جیسا کہ توریت سے معلوم ہوتا ہے) ایک لمبے عرصہ تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تب خدا تعالیٰ نے آپ کو بیٹے کی بشارت دی اور اس بشارت کے موافق حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی ولادت ہوئی۔ اور پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں ایک دوسرا بیٹا اسحٰق دیا دونوں کے متعلق جو وعدے بشارات کے رنگ میں دیے گئے توراۃ میں انکی بڑی تفصیل ہے حضرت ہاجرہ کے متعلق متعصب عیسائیوں نے

ان کے مقام اور مرتبہ کو گرانے کے لئے عجیب غریب بحثیں کی ہیں مجھے
ان پر اس وقت بحث کرنے کرنے کی ضرورت نہیں حضرت ہاجرہ
شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام
کی چونکہ یہ دوسری بیوی تھیں اس لئے عورت کی فطرت نے پہلی بیوی
سارہ کو ان کے خلاف کر دیا۔ اور وہ ان کو تنگ کرنے لگی توریت
میں اس واقعہ کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ آخر حضرت ہاجرہ
مجبور ہو کر ان کے پاس سے چلی گئی۔ راستہ میں خدا کے فرشتہ نے
ان کو بشارت دی کہ تو ایک بیٹا جنے گی اور اس کا نام اسماعیل
رکھنا۔ (پیدائش ۱۶)

پھر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے (پیدائش
باب ۱۷۔ آیت ۲۰) بشارت دی کہ اسماعیل کے حق میں تیری دعا سنی
دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے برومند کرونگا اور اس کو
بہت بڑھاؤں گا اور اس کے بارہ سردار ہوں گے اور میں اس کو
بڑی قوم بناؤں گا۔ حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش قدرتی طور پر
حضرت سارہ پر گراں گزری اور آپ نے اصرار شروع کیا کہ
انکو نظروں سے دور لے جاؤ۔ بظاہر یہ ایک عجیب المیہ
ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نہاں در نہاں مشیت کے تحت

ہو رہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام سارہ کی یہ بات ماننے کو تیار نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی وحی نے ابراہیم علیہ السّلام کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا اور وہ حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچے اسمٰعیلؑ کو لے کر چلے گئے کہ انہیں دور جا کر چھوڑ آئیں۔ بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں اس واقعہ کی تفصیل ہے اور وہ اسطرح پر ہے کہ ابراہیمؑ ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچے اسمٰعیل کو لیکر چلے اور جہاں آج کعبہ ہے اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا بھی نام و نشان نہ تھا اس لئے ابراہیم علیہ السّلام نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی انکے پاس چھوڑ دی اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہو گئے حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں اے ابراہیمؑ ہم کو تم اس وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دئے جہاں نہ آدمی ہے اور نہ کوئی مونس و غمخوار ہاجرہ برابر یہ کہتی جا رہی تھیں آخر ہاجرہؑ نے دریافت کیا کہ کیا خدا نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جواب دیا کہ ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ ہاجرہؑ نے جب یہ سنا تو کہا اگر یہ خدا کے حکم پر ہے تو بلاشبہ وہ ہمکو ضائع اور برباد نہ کریگا۔

یہ کہہ کر وہ واپس لوٹ آئیں۔

یہ واقعہ بصائر و عبر کا ایک دفتر اپنے اندر رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہ علیہما السّلام کے اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کا ایک بے نظیر مظاہرہ ہے۔ اس طرح پر حضرت اسماعیل علیہ السّلام اپنی کم سنی میں اپنی والدہ محترمہ کے آغوش محبت میں ہی وادی غیر ذی زرع میں آباد ہوئے۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنی قدرتوں کے عجائبات ان پر ظاہر کئے۔ انہی وعدوں کے موافق وہ بڑھے پھلے اور پھولے اور وہ عظیم الشان انسان جو رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کہلایا آپ کی نسل سے پیدا ہوا جن دعاؤں کا میں اب ذکر کروں گا ان کے اسباب اس طرح پر پیدا ہوئے۔

(عرفانی کبیر)

۳۵/۴ وادی غیر ذی زرع میں دعا

(تمہیدی نوٹ)

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ کو چھوڑ کر چلے گئے اور نظر سے اوجھل ہو گئے۔ تو محبت پدری نے حالات حاضرہ کے پیش نظر ایک کیفیت دعا آپکے اندر

پیدا کردی تب آپ نے اس مقام کی طرف منہ کر کے جہاں اب کعبہ
ہے اور جہاں بیوی اور بچے کو چھوڑا تھا اپنے ہاتھ خدا تعالیٰ
کے حضور بلند کیے۔ اور پورے سوز و گداز سے یہ دعا کی۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ
بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً
مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
یَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ
وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ
اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ
وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ
وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

ترجمہ۔ اے ہمارے رب! میں اپنی بعض اولاد کو ایک ایسے
میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان تک نہیں لا کر تیرے
معزز گھر کے پاس آباد کیا ہے۔ اے ہمارے رب! میری
غرض اس سے یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے
قلوب ان کی طرف مائل کر دے۔ (وہ مرجع خلائق ہوں)

اور ہر قسم کے ثمرات سے انکو رزق عطا فرما (تاکہ معیشت کی تنگی نہ ہو) اور وہ تیرے شکر گزار رہیں۔ اے پروردگار! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ بھی تجھ سے مخفی نہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ بھی تو جانتا ہے آسمان و زمین کی کوئی بھی چیز تو آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اس پیرانہ سالی میں مجھے اسماعیل اور اسحاق دو بیٹے عطا فرمائے بے شک میرا رب دعاؤں کو سنتا ہے ۝ اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں نماز کو قائم کروں اور میری نسل کو بھی یہ توفیق عطا فرما اے ہمارے رب میری یہ دعا قبول فرما ۔ اے ہمارے رب! حساب کے دن مجھے میرے ماں باپ کو اور سب مومنین کو بخش دیجیو۔

(تفسیری نوٹ) یہ دعا نہایت عظیم الشان پیشگوئیوں کی حامل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرۃ مطہرہ کی آئینہ دار ہے۔ اس دعا پر میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح والمہدی دیدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تفسیر کبیر کا نوٹ دیدینا بابرکت یقین کرتا ہوں فرماتے ہیں۔

اس آیتہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنی نیت
کو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے اس کے فضل کو طلب کرتے
ہیں اللہ تعالیٰ نیتوں کا دیکھنے والا ہے وہ کبھی کسی اچھے
عمل کو جو نیک نیتی سے کیا گیا ہو ضائع نہیں کرتا پس وہ
اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ تیری مقدس عبادت گاہ
کی خدمت اور آبادی کے لئے اپنی اولاد کو یہاں چھوڑا
ہے اور اس نیت سے یہاں چھوڑا ہے کہ وہ تیرے ذکر
کو بلند کریں اور یہ جانتے ہوئے چھوڑا ہے کہ اس جگہ
دنیوی آرام کا کوئی سامان نہ موجود ہے نہ ہو سکتا ہے
پس میں اب تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ
ایک تو جس مقصد کے لئے میں نے انکو یہاں رکھا ہے
وہ پورا ہو لوگ انکی طرف توجہ کریں اور ان کی تبلیغ
اور ان کے وعظ میں اثر ہو۔ اور یہ تیری عبادت قائم
کرنے میں کامیاب ہوں دوسرے انکی جسمانی حالت کی
درستی کا بھی خیال رکھ اور باوجود اس کے کہ انہیں میں
ایسے علاقہ میں چھوڑ رہا ہوں کہ گھاس کی پتی بھی یہاں
نظر نہیں آتی تو اعلیٰ سے اعلیٰ پھل بھی ان تک پہنچا تا کہ

انہیں معلوم ہو جائے کہ جو خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرتا ہے خدا تعالیٰ اسے دنیا میں بھی ضائع نہیں کرتا۔"

(تفسیر کبیر صفحہ ۴۸۶)

دعا کے اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کی صفت غیب دانی اور علیم کا ذکر کرتے ہیں اس میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام دراصل اپنی نیک نیتی کا اظہار کرتے ہیں کہ بارالٰہا! تجھ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں تو میرے قلب کے ہر گوشہ سے واقف ہے میرا کوئی سفلی مقصد اپنی اولاد کو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد کرنے کا نہیں میں صرف تیرے نام کا اعلان چاہتا ہوں۔

خدا کی حمد چونکہ یہ مقصد عظیم تھا۔ اور یہ قربانی بھی بہت بڑی قربانی تھی جس کی توفیق حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ملی اس لئے اس پر حمدِ الٰہی کے لئے ان کے اندر جوش پیدا ہوا۔ اور کہا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝

سب سے پہلے تو اس فضل پر شکر ربانی ادا کیا کہ بڑھاپے میں اولاد عطا کی اور پھر اصل وجہ شکر کی تو یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام کو

ایک عظیم الشان غیر فانی مقصد کے قائم کرنے کی توفیق ملی اور بیٹوں کا ذکر اس لئے کیا کہ بڑھاپے کی اولاد انسان کی بہت سی تمناؤں کا مرکز ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے متمول انسان تھے مگر انکی نظر صرف ایک بات پر ہے کہ

خدا کا نام بلند رہو

اور اس مقصد عظیم کے لئے آپ نے وہ ذبح عظیم کیا جو اسمٰعیلؑ کی قربانی میں ہے۔ اس سے بڑھ کر قربانی کیا ہو گی ؟ کہ پیرانہ سالی کے بیٹے کو بے آب و گیاہ میدان میں یکہ و تنہا چھوڑ دیا گیا۔

دعا کے وقت آپ کی طبیعت میں جو جوش اور رنگ تھا وہ الفاظ سے ظاہر ہے اور قبولیت دعا پر بھی کامل یقین تھا پھر اسی دعا کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اپنی اولاد کو یہاں مقیم کرنے کے مقصد کے اظہار میں شروع کی تھی۔

اور پکارتے ہیں کہ اے میرے رب مجھے اور میری اولاد میں سے ہر ایک کو نماز کو عمدگی سے ادا کرنے والا بنا۔ اور قیام نماز کا ذریعہ بنا دے یعنی اس کو رواج دینے والے ہوں۔ اور لوگوں کو اس کی طرف لانے والے داعی ہوں۔ دعائے ابراہیم کا یہ مطلب ہے کہ میں اور میری اولاد کے ذریعہ دنیا میں نماز قائم رہے

اس دعا کے ساتھ پھر کہتے ہیں

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِی

اے ہمارے رب میری اس دعا کو قبول فرما۔ اور آج یہ حدا نت دنیا میں مشہور رہے کہ اقامت الصلوٰۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل سے پیدا ہونے والے نبیوں کے سردار محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ سلم کے ذریعہ قائم ہے جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا کہ یہ دعاء عظیم الشان پیشگوئیوں کو لئے ہوئے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے وجود میں پوری ہوئیں۔ پھر دعا کو اور لمبا کر کے عرض کیا کہ

اے ہمارے رب یوم الحساب میں مجھے میرے والدین اور تمام مومنین کی مغفرت فرما

استغفار کے متعلق دشمنانِ اسلام نے سخت کج روی اختیار کی ہے وہ سمجھتے ہیں اس لفظ کے مفہوم میں گناہ کا صدور لازمی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں انبیاء علیہم السّلام کی عصمت تو ایک مسلم عقیدہ ہے۔ نبی جب استغفار کرتا ہے تو وہ اپنی گناہ سوز نظر کو لیکر اللہ تعالیٰ کی اس ردا کا طالب ہوتا ہے جس کے نیچے آکر وہ مظہر تجلیات بن جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ جب استغفار

کرتے ہیں تو انکی ذاتی استعداد اور حالت کے لحاظ سے اس کا مفہوم بدلتا جاتا ہے اور یہ عام مفہوم ہے کہ حصول کمال میں ہم سے اگر کسی کمزوری کا صدور ہوا ہے تو اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھ اور آئندہ ایسی فطرت پیدا کر دے کہ کسی لغزش کا صدور نہو۔ پھر دعا میں اپنی ذات ہی کو مخصوص نہیں کیا اور اس میں سبق ہے کہ مومن صرف اپنے لئے ہی دعا نہ کرے۔ دوسروں کو بھی شریک دعا کرے اور مراتب کے لحاظ سے ماں باپ سب سے قریب ہیں اس لئے ان کے لئے دعا کرے اور پھر تمام مومنین کی جماعت کے لئے

عرفانی کبیر

۳۶ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی دعاء

(تمہیدی نوٹ)

حضرت اسماعیل علیہ السّلام اور حضرت ہاجرہؑ کو جب حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کی وحی کے ماتحت وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ گئے تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے غیب سے عجیب غریب سامان ان بادیہ نشین مہاجرین کے لئے پیدا کر دیے اور مکہ معظمہ

میں ایک آبادی کی صورت پیدا ہونے لگی۔ بخاری کی کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی شادی وغیرہ کی کیفیت اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے وقتاً فوقتاً مکہ آنے کا پتہ چلتا ہے جبکہ وہ فلسطین میں ہجرت کر کے آباد ہو چکے تھے اسی اثناء میں تعمیر کعبہ کا ارشاد ربانی ہوا اور باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں بیت اللہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ اور اس طرح پر وہ دنیا میں خدا کا پہلا گھر کہلایا۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا

بیت اللہ کی تعمیر اور اس کی تاریخ اس وقت زیر نظر نہیں بلکہ ان دعاؤں کو بیان کرنا ہے۔ باپ بیٹا جب اس بیت اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کر رہے تھے۔

بلدِ امین کی دعا ۳۷/۴

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورۃ بقرۃ آیۃ ۱۲۶)

اے میرے رب اس کو (مکہ معظمہ کو) امن والا شہر بنا دے
اور اس کے باشندوں میں سے انکو جو اللہ اور یوم آخرۃ پر
ایمان لاتے ہوں پھلوں کا رزق عطا فرما۔

حضرت ابراہیم کی اس دعا میں بھی مکہ معظمہ کی عظمت اور اس کے بہت بڑا شہر بن جانے کی پیشگوئی ہے اس لئے کہ جوں جوں کسی شہر کی آبادی بڑھتی جاتی ہے وہاں مختلف قسم کی بدامنیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور کثرت آبادی کی وجہ سے معاشی حالتیں بھی مخدوش ہو جاتی ہیں حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ دنیا میں ہزاروں انقلاب ہوئے اور بڑے بڑے امن کے مدعی شہروں اور حکومتوں میں فساد اور بے چینیاں پیدا ہوئیں مگر مکہ معظمہ اب تک بلد امین ہے
فی الحقیقت وہ ایک دار الامان اور دار السلام ہے۔
اور جیسا کہ پہلے بھی بیان کر آیا ہوں ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے پھل وہاں پہنچ جاتے ہیں

اسی دعا کو ایک دوسرے مقام پر سورۃ ابراہیم میں یوں ادا کیا ہے ۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ

نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ ۔ اے میرے رب! اس شہر کو امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچا کہ وہ بتوں کی پرستش کریں۔ اے میرے رب انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے پھر جو میری اتباع کرے گا وہ تو مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی تو غفور الرحیم ہے۔ (سورۃ ابراہیم پ۱۳ ع ۱۶ آیت ۳۶ تا ۳۴)

(تفسیری نوٹ) اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ علم دیا گیا تھا کہ ایک وقت مکہ پر بھی ایسا آجائے گا کہ وہاں شرک کی بلا پھوٹ پڑے گی اس لئے آپ نے یہ بھی دعا کی کہ میری اولاد وہی ہو گی جو میری اتباع کرے گی۔ انبیاء علیہم السّلام کی فطرت کتنی رحیم ہوتی ہے جہاں ان لوگوں کے لیے جو مبتلائے شرک ہو جائیں گے بد دعا نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات غفور الرحیم کو اپیل کر دی ہے۔

۳۸۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت کی عظیم الشان دعا

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَ
أَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ
أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(سورہ بقرۃ رکوع ۱۴ آیۃ ۱۲۶ تا ۱۲۸)

ترجمہ۔ اے ہمارے رب ہم سے (اُس خدمت تعمیر کو) قبول فرما
بے شک تو دعاؤں کا سننے والا ہے اور تو ہماری نیات کو
جانتا ہے۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار
بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی جماعت پیدا کر جو تیرے
فرمانبردار ہوں اور ہم کو عبادت حج کے طریقے دکھا
اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما بے شک تو بہت ہی بڑا توبہ
قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اے ہمارے رب ہماری اس نسل (امت مسلمہ) میں
انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات
کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھائے۔
اور انہیں پاک کردے بے شک تو العزیز اور الحکیم ہے۔

(تفسیری نوٹ) حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی یہ دعا خود آپکی پاک سیرۃ پر ایک روشن دلیل ہے اور آپ کے مقاصد (اغراض) کو ظاہر کرتی ہے۔ آپ اپنے اور اولاد کے لئے صرف ایک ہی چیز کی تمنا کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے کامل فرمانبردار رہوں۔ اور اس نسل میں ایک عظیم الشان نبی پیدا ہو۔ جس کے کام یہ ہوں کہ آیات اللہ کی تلاوت کرے اور کتاب اور حکمۃ سکھائے اور ہر قسم کی ناپاکیوں سے قوم کی تطہیر کرے اللہ تعالیٰ نے ان تمام دعاؤں کو قبول فرمایا قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے تذکرہ کو پڑھ کر حقیقت عیاں ہو جاتی ہے اور سورۃ جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا جب اظہار اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس دعا میں جو باتیں طلب کی گئی تھیں وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوۃ کے کام تبائے۔ اور اسلام کی تاریخ آج بھی اس صداقت کی گواہ ہے۔

۳۹/۶ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعا حصول اولاد کیلئے

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اولاد صالح کے لئے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور صالح اولاد

ایسی عطاء کی کہ انہیں سے ہر ایک نبوۃ کے برکات سے بہرہ ور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعاء کی قبولیت کا خود ذکر فرمایا اور اس کے ثبوت میں حضرت اسمٰعیل کا ذکر خصوصیت سے کیا۔

یہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ کو اولاد کا وعدہ دیتا ہے یا اولاد کے متعلق اس کی دعا کو قبول کرتا ہے تو وہ اولاد صالح ہی ہوتی ہے مبشّر اور موعود اولاد کے متعلق یہ شبہ بھی نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ وہ گنہگار ہی ہو سکتی ہے اور حقیقت الامر تو یہ ہے کہ یہ لوگ اولاد کی درخواست اور دعاء ہی صالح اولاد کے لئے کرتے ہیں قرآن مجید میں حضرت ذکریا علیہ السلام جب اولاد کے لئے دعاء کرتے ہیں تو ایسی اولاد کی دعاء کرتے ہیں جو وارث علوم نبوۃ ہو جو اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مقبول و برگزیدہ ہو غرض یہ اصولی امر ہے اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر غور کرو۔

(عرفانی کبیر)

۲۷ دعائے ابراہیم

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ٥ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ٥

(سورہ صافات آیۃ ۱۰۰)

اے میرے رب مجھے اولاد صالح عطا فرما ۔ پس ہم نے
اس کی دعا کو قبول کیا اور اس کو بشارت دی ایک حلیم
بیٹے کی ۔

(تفسیری نوٹ) اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب حصول اولاد کی دعا کرے تو مجرد اولاد نہیں اولاد صالح کی دعا کرے وہ اولاد خود بھی ہر قسم کی صلاحیتوں کو رکھتی ہے اور دوسروں کی اصلاح کا بھی کام کرے۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے پھر اس موعود اور مبشر اولاد (اسمٰعیل) کے کمال کا ذکر فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رویا کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس موعود بیٹے اسمٰعیل علیہ السّلام کو کہا کہ میں نے رویا میں دیکھا ہے کہ گویا میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں تو حضرت اسمٰعیلؑ نے کس اخلاص اور استقلال سے جواب دیا کہ

ابا جان ! آپ کو جو حکم ہوا ہے اسکی تعمیل کر دیجئے
مجھے انشاء اللہ اس قربانی میں ثابت قدم پائیں گے

اس ذبح عظیم کا وہ ثمرہ ہے کہ آپ کی نسل سے سید الاوّلین الآخرین کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اللّٰھم صلّ علےٰ محمّدٍ وعلیٰ اٰل محمّدٍ وبارک وسلم پھر اسی سورۃ صافات کی آیۃ ۱۱۳ میں اسی دعا کی قبولیت

کے سلسلہ میں فرمایا

وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ

اور ہم نے بشارت دی ابراہیم کو اسحٰق کی جو نبی تھا اور صالحین میں سے تھا۔

اس بشارت میں صالحین کا لفظ رکھ کر واضح کر دیا کہ یہ اسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔

حضرت لوط علیہ السّلام کی دعاء ۱۸۱

تمہیدی نوٹ

حضرت لوط علیہ السّلام حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے برادر زادہ تھے چونکہ انکی تربیت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زیر سایہ ہوئی تھی اس لئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہی کے مشورہ سے وہ مصر سے ہجرۃ کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم و عمورہ چلے گئے اور ملتِ ابراہیمی کی دعوت کا کام شروع کیا۔

اور حضرت لوط علیہ السّلام نے وہاں آکر دیکھا کہ باشندے نہایت بے حیا۔ بدکردار اور فواحش میں مبتلا ہیں حضرت لوطؑ نے

ان کو ہر قسم کے عیوب اور بدکرداریوں سے منع کیا اور تقویٰ و طہارت کی تلقین کی اور ہر طرح ان کرتوتوں کے انجام بد سے ڈرایا مگر وہ باز نہ آئے اور اپنی شرارتوں میں بڑھتے گئے اور بالآخر انہوں نے حضرت لوط علیہ السّلام کو کہا کہ آپ تو بڑے پاک باز ہیں اور ہم لوگ آپ کی نظر میں اعمال خبیثہ کا ارتکاب کرتے ہیں آپ کا یہاں کیا کام اور اپنی قوم کو انہوں نے کہا کہ

اِن پاک بازوں کو یہاں سے نکال دو

حضرت لوط علیہ السّلام نے انکو جب ہر طرح سے اتمام حجت کیا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا تو انہوں نے کہا کہ

اگر تو صادق ہے اپنے دعویٰ میں تو وہ اللہ کا عذاب لے آ

اس جواب پر حضرت لوط ؑ نے دعا کی جس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(عرفانی کبیر)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِۦٓ إِلَّآ أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّٰدِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۝

(پ ۲۰ ع ۱۶ سورہ عنکبوت)

لوط کی قوم نے یہی جواب دیا وہ اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم عذاب کے وعدہ میں سچے ہو۔

اس پر لوط علیہ السلام نے دعاء کی

اے میرے رب مفسد قوم کے مقابلہ میں میری نصرت فرما۔

نوٹ:- یہاں حضرت لوط نے قوم مفسدین کے مقابلہ میں طلب نصرت کی دعاء کی ہے یہ دعاء اپنے اندر ایک جامع رنگ رکھتی ہے۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر فرمایا اللہ تعالیٰ مفسدین کو دوست نہیں رکھتا۔ اور مفسدین کا انجام بد ہوتا ہے اور فساد میں وہ تمام امور داخل ہیں جو کسی نہ کسی طرح امن عامہ میں بگاڑ پیدا کریں یہ امور خواہ اخلاقی رنگ میں فساد پیدا کرتے ہوں یا معاشی اور سیاسی رنگ میں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب کسی قوم کی اخلاقی حالت تباہ ہو جاتی ہے تو وہ ہر فتنہ اور فساد کا مرکز ہو جاتی ہے اس لئے لوط علیہ السّلام نے اپنی دعاء میں قوم المفسدین کے مقابلہ میں دعائے نصرت کی۔ اور ہر شخص کو جب کسی فتنہ و فساد کا منظر دیکھنا پڑے تو اسے حضرت لوط کی اس دعا کا تکرار کرنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے محفوظ کر لے مگر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ آپ بھی ہر قسم کے فتنہ و فساد سے اپنے آپ کو بچائے ورنہ وہ اس کا مصداق ہو جائے گا۔

تم خود ہی غیر بن کے محل سزا ہوئے۔

۴۲ حضرت لوطؑ کی ایک اور دعاء

رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ شعراء آیۃ ۱۷۰)

اے میرے رب مجھکو اور میرے اہل کو ان بد اعمالیوں سے بچا جو یہ کرتے ہیں۔

(تفسیری نوٹ) جہاں یہ دعا سورۃ شعراء میں آئی ہے اس سے پہلے حضرت لوطؑ کا وہ واقعہ تبلیغ درج ہے جو آپ کو اپنی قوم سے پیش آیا۔ حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو اپنے منصب رسالت کی طرف توجہ دلائی۔ اور انکو اس بے حیائی سے روکا جو اس قوم میں پائی جاتی تھی۔ حضرت لوطؑ اپنی تبلیغ پر زور دیتے تھے بالآخر انکی قوم نے کہا کہ اگر تو اس سے باز نہ آیا تو ہم تم کو یہاں سے نکال دیں گے اس پر حضرت لوطؑ نے یہ دعاء کی اور اس دعا کے بعد ہی قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی دعاء کو قبول کرلیا اور حضرت لوطؑ اور آپ کے اہل کو بجز ایک بوڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی نجات دیدی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

(تمہیدی نوٹ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود بجائے خود قبولیت دعا کا ایک نشان ہے اور آپ کی بعثت دعائے ابراہیم (علیہ السلام) کا نتیجہ تھی۔ جس دعا کو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کے ضمن میں لکھ آیا ہوں حالی مرحوم نے اسی کی طرف اشارہ کرکے لکھا تھا۔

دعائے خلیل و نوید مسیحا ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی کا دستور العمل دعا ہی تھا۔ چنانچہ احادیث میں آپ کے اعمال کی جو تصریحات آتی ہیں اس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ سوتے جاگتے۔ کپڑا پہنتے۔ کھانا کھاتے۔ یہاں تک طبعی ضرورت کے لئے بیت الخلاء وغیرہ تک جاتے ہوئے دعائیں کرتے تھے اور بعض ان دعاؤں کو ادعیۃ الرسول میں مختلف اوقات میں لوگوں نے مختلف طریقوں پر جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور توفیق دی تو میں ان دعاؤں کے آئینہ میں

آپؐ کی سیرۃ کے مختلف پہلوؤں کو دکھانے کی نیت اور عزم رکھتا ہوں اور اس سلسلہ کو میں نے اپنے ماہواری مجلہ تادیب النساء میں شروع بھی کیا تھا۔ قرآن مجید نے آپؐ کی اس بےچین فطرت (جو نوع انسانی کی بھلائی کے لئے تھی) کا نقشہ خود بھی مختلف مقامات پر کھینچا ہے کہیں آپؐ کو المضطر کے نام سے پکارا ہے جیسا کہ فرمایا امن مجیب المضطر اذا دعاہ الآیتہ

یعنی کون ہے جو مضطر کی دعاء کو قبول کرتا ہے جب وہ اس کو (اپنے رب کو) پکارتا ہے اور دکھوں کو دور کرتا ہے وہ دنیا میں حکومتیں عطا کریگا کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) تم میں بہت ہی کم لوگ ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ میں اس آیتہ کی تفسیر یہاں بیان نہیں کروں گا بلکہ صرف میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالتِ دعاء کا مقام دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اس درد و اضطراب کی وجہ سے جو مخلوق کے لئے آپ رکھتے تھے اور دعاؤں میں مصروف تھے آپ کا نام المضطر رکھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہاں دعاء کی قبولیت کے ایک اصل کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ قبولیت دعاء کے لئے اپنے اندر ایک اضطرار اور خشوع و خضوع

پیدا کرنا ضروری ہے مگر یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
قلبی کیفیت کے اظہار کے لئے آپؐ ہی کا نام رکھا ہے اور میرے
اس بیان کی حقیقت اس وقت کھل جائے گی جب سورۃ نمل کے
پانچویں رکوع پر آپ غور کریں گے۔ اسی رکوع میں یہ آیت آئی
ہے اور یہ رکوع شروع ہوتا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى
عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ کہو اللہ ہی کی حمد ہے اور سلامتی ہے اسکے برگزیدہ بندوں پر
یہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب قل کے لفظ سے
فرمایا اور یہ سورۃ مکی ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ
کی مختصر سی جماعت ہر قسم کے مصیبتوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی
اور کفار و اشرار مکہ ہر قسم کی تکالیف آپؐ کو پہونچا رہے تھے اس
وقت دعاؤں کے سوا کیا سہارا تھا ان حالات میں اللہ تعالیٰ
نے آپؐ کے دعاؤں کی کیفیت اور قبولیت کی بشارت دی
اور ان تکالیف اور دکھوں کے دور کرنے ہی کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ
آپؐ کو الٰہی حکومتوں اور سلطنتوں کی بھی بشارت دی
غرض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے آپ دعائے ابراہیمی کی
قبولیت کا نشان تھے آپؐ کو دعاؤں کے ساتھ خاص مناسبت
تھی۔ آپؐ کے اس درد و سوز کا نقشہ آپؐ کے عاشق زار اور

فنا فی الرسول حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوں بیان کیا ہے۔

جانِ خود دادن پئے خلقِ خدا در فطرتش
جاں نثارِ خستہ جاناں بیدلاں را غم گسار
اندراں وقتے کہ دنیا پُر ز شرک و کفر بود
ہیچ کس را خوں نہ شد دل جز دل آں شہریار
ہیچ کس از خبثِ شرک و رجسِ بت آگہ نہ شد
ایں خبر شد جانِ احمدؐ را کہ بود از عشق زار
کس چہ میداند کز ان نالہ ہا باشد خبر
کاں شفیعے کرد از بہر جہاں در کنجِ غار
من نمی دانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے
کاندراں غارے در آورد ش حزین و دلفگار
نے ز تاریکی نو حشتے نے ز تنہائی ہراس
نے ز مردن غم نہ خوفِ کژدمے نے بیمِ مار
کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربانِ جہاں
نے بجسمِ خویش میلش نے بہ نفسِ خویش کار
نعرہ ہا پر درد میزد از پئے خلقِ خدا
شد تضرع کارِ او پیشِ خدا لیل و نہار

آخر از عجز و مناجات و تضرع کردنش
شد نگارِ لطفِ حق بر عالمِ تاریک و تار

یہ بہت طویل قصیدہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں آپ نے لکھا ہے۔ میرا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ یہاں المضطر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود باوجود ہے۔

پھر قرآن کریم میں جس قدر انبیاء علیہم السّلام کی دعائیں مذکور ہیں وہ سب کی سب آپؐ کی ہی دعائیں ہیں اس لئے کہ آپؐ کے وجود میں تمام نبوتیں جمع ہو چکی تھیں جیسے قرآن مجید میں تمام کتب سابقہ کی محکم تعلیمات و ہدایات کو نہ صرف جمع کر دیا گیا بلکہ ان کی تکمیل اسی کتاب مجید کے ذریعہ ہوئی۔ اسی طرح تمام نبوتوں کی تکمیل آپ کے وجود باوجود میں ہوئی اور اس طرح پروہ اتمام نعمت نبوۃ آپ کی نبوۃ کے رنگ میں ظہور پذیر ہوئی۔ یا یوں قرآن کریم میں بعض دعائیں ہیں جو آپؐ پر آپؐ کے لئے اور آپ کی جماعت کے لئے وحی ہوئیں اور جو اپنے برکات دائمی رکھتی ہیں۔ اس قدر تمہیدی نوٹ کے بعد میں بعض ان دعاؤں کا ذکر کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق ہو نعم المولیٰ و نعم الرفیق

(عرفانی کبیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعاء

(تمہیدی نوٹ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی جس دعا کا میں اب ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ قرآن مجید سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۹ آیۃ (۸۱) میں آئی ہے اور یہ دعاء اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم کی جو دعائیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم کیں یا جو دعائیں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السّلام یا بعض اوقات اپنے دوسرے مخلص بندوں کو سکھاتا ہے وہ ایک ناقابل خطا نسخہ ہوتی ہیں اور انکی قبولیت لازمی۔

اس دعا کی حقیقت اور اس کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے سورۃ بنی اسرائیل کو خصوصیت سے تمام و کمال پڑھنا چاہیئے۔ یہ سورۃ عظیم الشان عجائبات اور حیرت انگیز پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج روحانی کے کمال کا نقشہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور اسلام کے کمال روحانی کا بھی نقشہ اس میں دکھایا گیا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو ایک

انقلاب عظیم آنے والا تھا اس کے لئے آپ کو تیار کیا گیا ہے۔
سورۃ بنی اسرائیل مکی سورت ہے اور اس کے نزول کا زمانہ مکی زندگی کے آخری سال ہیں جب کہ کفار کے مظالم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی مظلومیت اور بیکسی اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی ان ساعات عسر میں آنے والے اقبال اور ترقیات کی بشارتیں اس سورۃ میں دی گئی ہیں۔

پوری سورۃ کی تفسیر (میرے پندرھویں پارہ کی تفسیر میں درج ہے) اس جگہ مقصود نہیں صرف اس دعاء کے سلسلہ میں کچھ اشارات بیان کرنے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو انقلاب آنے والا تھا وہ آپؐ کا حکم الٰہی کی تعمیل میں مکہ سے ہجرت کرنا تھا۔ اس نئی زندگی اور نئے حالات کے لئے آپؐ کو یہ دعا تعلیم کی گئی۔ لیکن قرآن کریم تو ایک غیر فانی اور ابدی کتاب ہے اور حضور کی زندگی ایک مستقل اسوہ حسنہ ہے۔ اس لئے آئندہ جو انقلابات اسلام میں آنے والے تھے ان میں کامیابی کے لئے بھی یہ دعاء ایک مشعل راہ ہے۔

روحانیت اور مادیت کی جنگ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ

دنیا میں روحانیت اور مادیت کی جنگ کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اس کو دوسرے لفظوں میں حق و باطل کی جنگ بھی کہا جاتا جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور و مرسل آیا اس جنگ نے نئی صورت اختیار کی۔ آدمؑ و ابلیس کا مقابلہ ہو یا نوحؑ اور اس کی قوم کا جدال، ابراہیمؑ و نمرود کا مقابلہ۔ موسیٰؑ و فرعون کی جنگ مسیحؑ اور یہودیوں کی پرخاش (جن کی مددگار رومن ایمپائر تھی) یہ سب اس جنگ کے نظارے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بھی اسی مادیت اور روحانیت کی جنگ کا ایک نمونہ تھا۔ لیکن آخری زمانہ میں ایک عظیم الشان جنگ مادیت اور روحانیت کی ہونے والی تھی۔ قرآن مجید نے اس کا نقشہ بھی پورے طور پر بیان کیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخری زمانہ کے متعلق جو پیشگوئیاں کی ہیں وہ اس کی مؤید ہیں۔ قرآن مجید مادی قوتوں کے غلبہ اور کمال کا ذکر کرتا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں اس کی ایسی تفصیل بیان کرتا ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ایک وقت آجائے گا جبکہ انسانی تسخیر کا کمال ظاہر ہو گا وہ کائنات کی سب چیزوں پر حکومت کرے گا سمندروں پر اس کی

حکومت ہوگی ہواؤں پر وہ حکومت کرے گا آفتاب اور اس کی قوتوں سے وہ کام لے گا۔ غرض انسان کو نیچر کی قوتوں پر اقتدار دیا جائے گا اور ٹھیک وہی وقت اس روحانی قوت کے کمال کے ظہور کا بھی ہوگا جو قرآن مجید کے ذریعہ دی گئی ہے غرض اس آخری جنگ میں جو مادیت اور روحانیت میں ہوگی اور آجکل ہو رہی ہے آخری غلبہ روحانیت کو ہوگا۔

روحانیت کے کمال کو حاصل کرنے کا طریق بھی اسی سورۃ میں بتایا گیا ہے جو اقم الصَّلوٰۃ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی میں یہ دعا ہے۔ بہرحال اس روحانی اور مادی جنگ کے متعلق یہ دعا ہے جس کا پہلا ظہور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ہجرت میں ہوا۔ اور اب اس دور میں اس کمال و کامیابی کے لئے مسلمانوں کو ان اصولوں اور طریقوں سے کام لینا چاہیئے جو قرآن کریم نے سکھائے ہیں۔

(عرفانی کبیر)

۴۳

انقلابی دعاء

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹ آیۃ ۸۱)

ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے ظاہراً و باطناً اچھے طور پر ہی داخل

کر اور کامل خوبیوں کے ساتھ باہر لا۔ اور مجھے اپنے

حضور سے کامل نصرت اور غلبہ عطا کر۔ (بنی اسرائیل آیۃ ۸۰)

مختصر تفسیری نوٹ | تمہیدی نوٹ میں ان اُمور کو بیان کر دیا ہے جو اس دعاء کے سمجھنے میں ایمان افزا مدد دے سکتے ہیں یہ آیتہ مکہ کی زندگی کے آخری ایام کی ہے اس رکوع میں آپ کو وہ کامیاب نسخہ اور حربہ بتا دیا گیا ہے جس نے مقام محمود پر آپ کو پہونچایا اور ہر اُس شخص کو پہونچا دیتا ہے جو اس پر پورے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کرے۔

اس دعاء میں خروج کے لئے بھی آپ صدق ہی کے عامل ہیں اور جہاں آپ کو اب داخل ہونا ہے اس کے لئے بھی اسی صدق کے طالب ہیں گویا صدق ہی آپ کا زندگی کی ہر حالت اور ساعت میں مقتضی ہے۔ اسی لئے اس دعاء کے بعد آتا ہے وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ الآیۃ لوگوں کو پکار کر کہدو کہ حق آگیا ہے اس میں آپ کے کمال صدق کا اظہار کیا کہ آپ کے وجود باوجود کو حق قرار دیا ہے۔ غرض اس دعاء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا کر آپ کے متبعین کو بتایا ہے کہ وہ

اپنی زندگی کے ہر موڑ میں اسی اُسوہ حسنہ کو مدنظر رکھیں

یہ زمانہ خصوصیت سے اس پر عمل کرنے کا ہے مجھے افسوس ہے کہ مسلمان ایک انقلاب میں سے گزرے اور گذر رہے ہیں لیکن عام طور پر انھوں نے اس دعا سے اِلّا ماشاء اللہ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ ضرورت ہے کہ وہ اپنے اندر پاک تبدیلی کریں تب وہ نصرت جو اس دعا میں طلب کی گئی ہے انہیں مل جاویگی۔ (انشاء اللہ العزیز)

(عرفانی کبیر)

۴۲ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائے ازدیاد علم

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

(پارہ ۱۶ سورہ طہ رکوع ۲)

ترجمہ۔ اے میرے رب میرے علم میں ترقی دے

تفسیری نوٹ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذوق علم پر میں نے ایک مقالہ اپنے اخبار وفادار میں شائع کیا ہے یہاں میں اس تفصیل سے نہیں لکھ سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا بتاتی ہے کہ آپ کے مقام علم اور وسعت عرفان کی کوئی حد بست نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر انتہائی مقام پر پہنچکر آگے بڑھنے کی خواہش رکھتے تھے اور آپ کی روح حصول علم و عرفان میں کسی مقام پر

ٹہرنا نہیں چاہتی تھی۔ بظاہر یہ نہایت مختصر جملہ ہے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا لیکن علم و عرفان کا یہ بے پایاں سمندر ہے۔ جب ہم حضور کی نبوۃ کی زندگی پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتداء اقراء سے ہوتی ہے جس کے معنے ہیں پڑھ پھر علم کے فضائل اور اس کے نتائج اور اسرار کو بتایا۔ آپؐ کی بعثت کی اغراض میں یعلم الکتاب والحکمۃ رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی دعا میں آپ کے لئے یہی چیز طلب کی تھی۔ پھر آپؐ کو وہ علوم دئے گئے جو ہر زمانہ میں اپنی صداقت کا اعلان کرتے ہیں اور یہ بطور پیشگوئی فرما دیا گیا تھا۔

کہ ایک وقت آئیگا کہ قلم کے ذریعہ علوم دنیا میں ترقی کریں گے اور مخفی اسرار علوم کے ذریعہ ظاہر ہوں گے لیکن علوم کسی قدر بھی ترقی کریں اور کتنے ہی علمی عجائبات دنیا میں ظاہر ہوں وہ سب کے سب اس امر کی تصدیق کریں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دانا نہیں ہیں اس نے دنیا کو حقائق دئے ہیں اور جیسے جیسے علوم ترقی کریں گے اس کی صداقت بھی پھیلتی جائے گی۔

اور یہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

غرض یہ ایک علمی دعاء ہے اور ہر مسلمان کو سبق دیتی ہے کہ وہ اپنے علم میں ترقی کرے۔
(عرفانی کبیر)

۲۵ دعائے رسولؐ

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝
(سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷ آخری رکوع)

رسول نے عرض کیا۔ اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما (یعنی حق کو دنیا میں محکم کردے) (اور یہ ہو کر ہی رہے گا اس لئے کہ) ہمارا رب تو الرحمٰن ہے جس سے مدد طلب کی گئی ہے اور اسکی مدد ہی ان تمام باتوں کے خلاف فیصلہ کردے گی جو تم بتلا رہے ہو۔

(نوٹ) یہ دعاء سورۃ الانبیاء کی آخری آیۃ میں بیان ہوئی ہے اور سورۃ الانبیاء مکی سورۃ ہے اور مکی سورتوں کے عام اسلوب بیان کی طرح اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ اور قرآن مجید کی حقیقت کے دلائل بیان کئے گئے ہیں اور خصوصیت سے مسئلہ نبوۃ پر نہایت لطیف بحث ہے انبیاء علیہم السلام کی ضرورت انکی بعثت کے اوقات اور اغراض اور صداقت پر تفصیل سے بحث کی ہے اور نبوۃ محمدیہ علیہ التحیۃ کی

اور اس کی عالمگیری اور وسعت اور اس کی کامیابی کے لئے پیشگوئیوں کا ایک سلسلہ بیان ہوا ہے۔ میں نے اس سورۃ پر تفسیری نوٹ ترجمۃ القرآن پارہ ۱۷ میں لکھے اور شائع کئے ہیں میں چاہتا ہوں احباب اسے پڑھیں کہ اس سے قرآن مجید کی عظمت اور اعجازی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔

قرآن کریم اپنے اندر ایک جامع ترتیب اور منتظم اسلوب رکھتا ہے اس لئے جو لوگ قرآن مجید کو اس نقطۂ خیال سے پڑھتے ہیں وہ اس کے مطالب اور مفہوم پر بہت جلد بصیرت حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ میں نے اس سورۃ کی پوری تفسیر شائع کی ہے لیکن اس دعاء کا مفہوم سمجھنے کے لئے مجھے مختصراً کچھ یہاں بیان کرنا پڑتا ہے۔

اوّلاً اس سورۃ کو شروع کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کسی نبی کی بعثت کا وقت وہ ہوتا ہے جبکہ وہ قوم اور ملک جہاں وہ نبی مبعوث ہوا ہے کلیتہً غفلت میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔

ثانیاً اس غفلت کی وجہ سے انکے قلوب پر ایسے پردے ہوتے ہیں کہ وہ اس نبی کی دعوت کو ایسی حالت میں سنتے ہیں کہ وہ لہو ولعب میں مشغول ہیں۔

قرآن مجید کے الفاظ میں انتہائی بلاغت اور کمال جامعیت ہوتی ہے یہاں انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کو یوم الحساب بتایا اور لوگوں کی حالت غفلت بیان کی۔ نبی ایک قسم کی قیامت ہوتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا تو ایک نام حاشر بھی ہے اور غفلت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پروائی اور دین کے کاموں سے بے توجگی یعنے دنیا کے کاموں میں اس قدر انہماک ہو کہ نیکی بدی کی تمیز نہ رہے اور غیرت دینی مفقود ہو جاوے۔ اس لئے اس سورۃ کو شروع فرمایا اقترب للنّاس حسابھُم وھُم فی غفلۃٍ معرضون ٥ مایاتیھم من ذکرٍ محدثٍ الّا استموہ وھُم یلعبون۔

یعنی لوگوں کے لئے اُن کے حساب کا زمانہ قریب ہوگیا اور وہ بحالت غفلت اعراض کر رہے ہیں کوئی بھی ذکر ان کے رب کی طرف سے نیا ہو کر نہیں آتا جس کو سنتے ہوئے وہ ہنسی کھیل نہ سمجھ رہے ہوں۔

لعب سے مراد اس دنیا کے ساز و سامان اور کاروبار ہیں قرآن مجید نے دوسرے مقام پر فرمایا اعلموا انّما الحیوٰۃ الدنیا لعب ولھو دنیا کی حیات یعنی دنیا کے عیش و آرام اور ساز و سامان کو

مقصد زندگی سمجھ لینا لعب ہے اور لہو یعنی یہ ساز و سامان انسان کو مقصد زندگی سے دور پھینک دیتا ہے اس لئے سورۃ الانبیاء میں اس مقصد عظیم کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے انبیاء کی بعثت کے وقت لوگوں کی اخلاقی حالت اور روحانی موت کا ذکر کیا کہ وہ اپنی زندگی کا مقصد عیش و آرام فخر و مباحات سمجھتے ہیں۔

پھر اس سورۃ میں انبیاء پر کیا اعتراض ہوتے ہیں ان کا جواب دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل میں ان عظیم الشان فتوحات کا ذکر کیا جو آپ کو حاصل ہونے والی تھیں۔ اور بالآخر حق و باطل کی جنگ عظیم کی طرف توجہ دلا کر فرمایا واقترب الوعد الحق الاٰیۃ (آیۃ نمبر ۹۸) اور حق کی کامیابی کا وعدہ قریب آجائیگا۔ تب کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور وہ زبان حال و قال سے اقرار کریں گے آہ ہم پر افسوس ہم اس حق کی شناخت سے بے پرواہ رہے سچ تو یہ ہے کہ ہم ظالم تھے۔

پس حق اور باطل کی اس جنگ کے متعلق بھی پیشگوئی کر دی جو اسی سورۃ کی دوسرے رکوع کی آیۃ ۱۹ میں ہے بل نقذف بالحق الاٰیۃ۔ باطل اپنی ظاہری شان و شوکت سے حملہ آور ہوتا ہے

اور نادان سمجھتا ہے کہ وہ غالب آ جائیگا حقیقت یہ نہیں اصل یہی ہے کہ ہم باطل کا سر حق کے ذریعہ ایسا کچل دیتے ہیں کہ باطل حق کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا بلکہ بھاگ جاتا ہے۔

اس طرح پر اس سورۃ میں حق و باطل کی جنگ اور حق کی فتح اور باطل کی شکست کا نقشہ کھینچکر بالآخر یہ دعا تعلیم کی

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ

قرآن مجید کے اسلوب بیان سے یہ حقیقت نمایاں ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کا عموماً اور سرور الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خصوصی معمول تھا کہ وہ آستانہ ربوبیت پر ہی ہر چھوٹے بڑے مقصد کے لئے گرے رہتے تھے! اور دعاؤں ہی کے ذریعہ فضل ربی کو جذب کرتے تھے۔

سیرۃ النبیؐ کا ایک پہلو یہ دعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی سیرۃ پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ آپ کے قلب میں جو اضطراب تھا وہ اپنی کسی حاجت اور مقصد کے لئے نہیں بلکہ حق کی فتح کے لئے۔ دعا یہ ہے کہ حق غالب ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی دعائیں آپ کی سیرۃ کے لئے ایک آئینہ ہیں۔

غرض اس دعا میں آپ نے فرمایا اے میرے رب حق کو

دنیا میں غالب کردے۔ اور پھر آپ کی اس بصیرۃ اور یقین کا اندازہ کرلو کہ آپ دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تو ہو کر ہی رہیگا کیونکہ ہمارا رب تو رحمٰن ہے۔ وہ تو بلا مانگے بھی فضل کرتا ہے اور اب تو ہم سایل ہو کر آئے ہیں۔
کیا ہی لطیف فرمایا حضرت مسیح موعود علیہ الصلٰوۃ والسّلام نے کہ تم یقین کرو کہ ہمارا خدا قادر ہے دعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک بصیرت کے ساتھ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر یقین رکھتا ہو۔ دعا کی قبولیت پر حضور کو کامل یقین تھا۔ اور اپنی بے کسی کا بھی۔ چنانچہ عرض کرتے ہیں کہ ہم جو اپنے رحمٰن رب کے حضور دعا کر رہے ہیں اور غلبہ حق کی پکار کرتے ہیں۔ تمھاری باتوں کا جواب اسی دعا کے ذریعہ ظاہر ہوگا۔ ہم کو اپنے سامان پر نظر نہیں اپنے رب رحمٰن کے حضور اپنی پکار اور گریہ زاری کے ظہور پر یقین ہے۔

غرض

یہ دعا ہے جو غلبہ حق کیلئے مومن کرتا ہے اور اسی روح کو لیکر جو اس میں مذکور ہے اس وقت کفر اور باطل اپنی تمام طاقتوں کا مظاہرہ حق کے خلاف کر رہا ہے اور وہ حق کو کچل دینے کے

تمام مکاید اور منصوبوں سے کام لے رہا ہے آؤ اللہ تعالیٰ کے حضور اسی انکساری اور اضطرار کے ساتھ گریں اور پکاریں

رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ آمین

۱/۴۶ انقلابی دور پر عظمت الٰہی کا اقرار بطریق دعاء

(تمہیدی نوٹ) قرآن کریم میں وہ دعائیں جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ہیں انکی پہلی غرض تو یہ بتانا ہے کہ یہ دعائیں مقبول ہیں، دوسری غرض یہ ہے کہ ان دعاؤں میں جن انعامات اور برکات کا ذکر کیا گیا ہے یا یہ کہو کہ جن کی استدعاء کی گئی ہے وہ انعامات و برکات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے اس اُمت محمدیہ کو دئے جائیں گے۔ ان دعاؤں کی قبولیت کی تجلیات ابدی ہیں وہ کسی خاص وقت کے لئے مخصوص نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد سعادت اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہدِ خلافت اور قیامت تک انکی شہادت اسلام کی صداقت میں پیش

ہوتی رہے گی یہ دعا جو ذیل میں درج کر رہا ہوں یہ ایک انقلابی دعا ہے جو بڑی عظیم الشان پیشگوئیوں کی مظہر ہے۔ (عرفانی کبیر)

اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ (پ۳ آل عمران ۴۶)

ترجمہ۔ اے اللہ تو ہی حقیقی طور پر حکومتوں کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت لے لیتا ہے جس کو تو چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے ذلیل کر دیتا ہے سب خیر و برکت تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تو ہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے (حقیقت یہ ہے کہ) تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے

(سورہ آل عمران رکوع ۳ آیۃ ۲۶ و ۲۷)

(تفسیری نوٹ) دنیا میں قوموں کے اور افراد کے عروج و زوال ہوتے رہتے ہیں اور حکومتوں اور سلطنتوں میں انقلاب آتے رہتے ہیں یہ بجائے خود سنن الٰہیہ ہیں اتفاقات پر اسکی بنیاد نہیں ان کے اسباب و علل ہوتے ہیں اور قرآن مجید نے ان کی رہنمائی فرمائی ہے اس دعاء میں یہ تعلیم دی ہے کہ مومن کی ہر انقلاب میں تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ وہ ہر انقلاب سے عروج کا ہو یا زوال کا عزت کا یا ذلت کا زندگی یا موت کا غرض کسی قسم کا ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ پر گرا رہے۔

یہ دعاء سورۃ آل عمران میں آئی ہے اور اس سورۃ کا بیشتر حصہ ۳ سنہ ھ میں نازل ہوا، اس وقت تک آپ کی سلطنت اور حکومت کا کوئی نشان نہ تھا مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا چکے تھے۔

جس اسلوب پر اس دعاء کو شروع کیا گیا ہے اس کو ایک عظیم الشان پیشگوئی کا رنگ دیا گیا ہے پہلے یہ بتایا کہ حکومتوں اور سلطنتوں کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا

ہے اس میں یہ بتایا کہ اس نے یہ مقدر کر دیا ہے کہ وہ ایک ایسی شخصیت کو جو بادشاہ نہیں کسی ملک کی مالک نہیں بادشاہ بنا دیں گے اور جو بادشاہ ہیں ان سے سلطنت لے لیں گے۔ اس عام مفہوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے بادشاہ بننے اور انکے مقابلہ میں بادشاہوں کے عزل کی پیشگوئی ہے۔ اور یہ تاریخی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے متبعین کو بادشاہ بنا دیا اور دنیا میں ایسے جلیل القدر بادشاہ ہیں جو آپ کا نام آنے پر عزت و احترام کے جذبات سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ کی غلامی پر فخر کرتے ہیں۔

اس دعا میں ملک کا لفظ استعمال کیا ہے جو حکومت ظاہری اور نبوت دونوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اور یہ لفظ اس لئے اختیار کیا ہے تا کہ حضرت مسیح علیہ السّلام جس آسمانی بادشاہت کا وعدہ دیتے آئے تھے اور جس کے لئے اپنی جماعت کی روزانہ دعا میں اس کو شامل کیا تھا جس کی کامل تجلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہونیوالی تھی ظاہر ہو دوسری بات عزت و ذلت کی ہے۔ آپ کے مخالف

آپؐ کو اور آپؐ کی جماعت کو نعوذ باللہ ذلیل سمجھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ منافقون)

عزت تو اللہ اور اسکے رسول اور مومنین ہی کی ہے۔

یعنی اب وقت آگیا ہے کہ حضور کے ذریعہ عزت کا نظریہ صحیح قایم ہو جائے گا وہ جو نسبی یا مالی نقطۂ خیال سے معزز بنے بیٹھے ہیں انکی عزتیں مٹ جائیں گی اب اعزاز و اکرام کا ایک ہی ذریعہ ہوگا کہ وہ فرد یا قوم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے والی ہو اور تقویٰ ہی کے اعلیٰ مقام پر ہو۔ یہہ پیشگوئیاں اس وقت کی جاری ہیں جب مسلمان نہایت کمزور اور حقیر سمجھے جاتے تھے انکی بادشاہت اور انکی عزت کی خبر دی جا رہی ہے اس دعا کے ذریعہ

اسی مفہوم اور مقصد کو اگلے حصّہ رات اور دن کے داخلہ اور زندہ اور مردہ کے عمل اخراج میں بیان کیا ہے عام نظارے تو ہم روز دیکھتے ہیں اس نظارہ میں اس آنے والی حقیقت کو سمجھاتا ہے کہ

ایک قوم جو آج ظلمت میں مبتلا ہے وہ اس سے نکل کر نور میں داخل

ہوجائیگی آج اس پر رات ہے مگر قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس پر دن چڑھ جائیگا۔ اور وہ جو اپنے آپ کو روشنی میں سمجھتے ہیں انہیں نظر آجائیگا کہ وہ تاریکی میں ہیں جو آج مردہ ہیں وہ کل زندہ ہوں گے اور زندگی بخش پیام کے حامل ہوں گے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو زندگی بخش فرمایا چنانچہ فرمایا مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی دعوت (پکار) کا جواب دو اس کا نتیجہ یہہ ہوگا کہ تم کو زندگی ملے گی، غرض اس دعا میں آنے والے انعامات اور انقلابات کے اوقات میں رو بخدا اور دست بہ دعا رہنے کی تعلیم ہے۔

(عرفانی کبیر)

۸۷ الٰہی حکومت کا اظہار اور فیصلہ کی دعا

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ٥ (سورۃ الزمر رکوع ۵)

ترجمہ۔ اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنیوالے۔ نہاں اور آشکار کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان

انکے باہمی اختلاف میں فیصلہ فرما۔

(تفسیری نوٹ)۔ یہہ دعا سورۂ زمر میں آئی ہے جو مکی سورۃ ہے اور پانچویں رکوع میں ہے اس رکوع کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین پر اتمام حجت کیا جارہا ہے ان کے اس اعتقاد باطل کا رد کیا کہ معبودان باطل شفیع نہیں ہونگے اس لئے کہ ان کو کسی چیز پر قدرت و اختیار ہی نہیں اور نہ انہیں عقل اور سمجھ ہے شفاعت کا حق تو اسے ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا مالک ہے اذن دے۔ اس کے بعد مشرکین کی قلبی حالت کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انکے قلب میں قبض اور نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ معبودان باطل ہی کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں اسی ذکر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو یہ دعا تعلیم فرمائی اور اس کے بعد اس دعا کی قبولیت میں فیصلہ کی پیشگوئی فرمائی جو اس سے اگلی آیتہ میں ہے وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا یعنی اب ان عذاب الٰہی کا آنا یقینی ہے اور وہ عذاب کی حالت کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا خواہ یہ کسی قدر بھی مال و دولت اور قوت و طاقت صرف کریں جو ٹھٹھا اور استہزار انھوں نے کیا ہے اس کا

بدلہ مل کر رہے گا۔

ع۴۸ آپؐ کی توکل علے اللہ کی دعا،

حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ (سورۂ توبہ رکوع ۱۶)

ترجمہ۔ میرے لئے میرا اللہ ہی بس ہے کوئی معبود مطلوب یا محبوب یا مطاع اللہ کے سوا نہیں میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔

(تفسیری نوٹ) اس آیتہ سے پہلی آیتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی سیرۃ کو بیان کیا ہے فرمایا بے شک تمھارے پاس تم ہی میں کا ایک رسول آیا ہے تمھیں اگر تکلیف ہو تو اس کو شاق گذرتا ہے وہ تو تمھارے لئے بھلائی ہی کا خواہشمند ہے اور تمھاری بھلائی ہی کے لئے وہ حریص ہے مومنوں کے لئے تو وہ رؤف و رحیم ہے یعنی وہ چاہتا ہے کہ تم مومن بن جاؤ تب تم اسے اپنے لئے ایک پیکر رحمت دیکھ لوگے باوجود حضور کے اس مقصد زندگی کے بیان کے بھی اگر لوگ توجہ نہ کریں تو آپ کو یہ دعا سکھائی۔ اور اس دعا میں بتایا کہ کامل توکل

آپؐ کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر تھا اور جو شخص بھی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیضان کو حاصل کرے اسے یہی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ کہ وہ کامل موحد ہو اور کامل توکل ہو وہ اس نعمت کو دعاؤں سے حاصل کرے۔

(عرفانی کبیر)

۲۹۔ عذاب سے بچنے کی دعاء

رَبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(پارہ ۱۸ المومنون رکوع ۶)

ترجمہ۔ اے میرے رب اگر تو مجھے وہ (عذاب) دکھائے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو میرے رب مجھے ظالموں میں نہ رکھ۔

(تفسیری نوٹ) یہ دعا سورۂ مومنون میں واقع ہوئی ہے اور یہ مکی سورۃ ہے۔ اس دعا میں منکرین اور مکذبین پر آنے والے عذاب کی طرف اشارہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا کرتے ہیں کہ یہ عذاب ایسے وقت آئے جبکہ میں ان میں موجود نہ ہوں یہ مراد نہیں کہ میری زندگی میں نہ آئے اس لئے کہ صاف الفاظ میں فرمایا کہ اے میرے رب اگر تو مجھے دکھائے۔

بلکہ اصل منشا یہی ہے کہ میں ان لوگوں میں موجود نہ رہوں چنانچہ اس دعا کی قبولیت اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ماکان اللہ معذبھم و انت فیھم
یعنی ان میں تیری موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا۔ اس دعا کا آخری حصہ (کہ مجھے ظالموں میں نہ رکھیو) کے بعد اللہ تعالیٰ نے قبولیت دعا کے متعلق فرمادیا کہ ہم ان پر جس عذاب کا وعدہ کرچکے ہیں وہ تجھے دکھانے پر قادر ہیں یعنی تیری زندگی ہی میں آجائے گا لیکن تو انہیں نہ ہوگا یعنی ہجرت کرکے مدینہ جاچکا ہوگا اور ایسا ہی ہوا

۵۰ وسواس شیطانی سے پناہ طلبی کی دعا

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۔ پ ۱۸۔ المومنون ع ۶

ترجمہ۔ اے میرے رب میں شیطانی وسوسوں سے تیرے دامن میں پناہ لیتا ہوں۔ میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

تفسیری نوٹ اس دعا کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کسی قدر تفکر

یہ نتیجہ کی ضرورت ہے بعض عیسائی معترض اس دعا سے
نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی
شیطانی وسوسہ آیا یہ سراسر حماقت کا اعتراض ہے بلکہ یہ
دعا ہی بتاتی ہے کہ آپؐ وساوس شیطانی سے محفوظ تھے اس
لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دعا سکھائی تو اس دعا کی قبولیت میں
تو شبہ ہی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ وساوس شیطانی سے
اللہ تعالیٰ کی پناہ میں تھے۔ اور شیاطین آپؐ کے قریب بھی نہیں
آسکتے تھے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ میرا شیطان
مسلمان ہوگیا۔ اور قرآن کریم نے تو یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ اللہ کے
فرمانبردار بندوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوسکتا اِنَّ عِبَادِی
لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَان یعنے میرے بندوں پر تجھے کوئی تسلط حاصل
نہیں اور حضور کا مقام تو بہت بلند ہے۔
پھر یہ دعا اوپر کی دعا کے بعد ہی دوسری آیت میں آتی ہے
اسی سورۃ مومنون میں جب ہم سیاق پر غور کرتے ہیں تو صاف
ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان شیاطین سے مراد کفار مکہ کے عمائد ہیں
اور انکے ہمزات سے مراد انکی بدزبانی و بدگوئی اور آپؐ کے
خلاف منصوبے ہیں چنانچہ اوپر کی آیتہ میں آیا ہے نحن اعلم بما تصفون

ہم ان باتوں سے بے خبر نہیں جو تیری نسبت کہتے رہتے ہیں۔
پھر قرآن مجید اپنی آپ تفسیر کرتا ہے افسوس یہہ ہے کہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے۔ ہمز کے معنی عیب کے ہوتے ہیں اور ہمّاز (عیب چین) کو کہتے ہیں قرآن کریم کے آخری پارہ میں سورۃ ہمزہ ہے جو مکی ہے اور اس میں انکی حالت کا تذکرہ ہے۔
پس اس مقام پر شیاطین سے وہی رؤسار کفّار مراد ہیں۔

۵۔ مجاہدین کی ایک دعاء

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ۔ (مجاہدین فی سبیل اللہ) کا قول اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ دعاء کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور ہمارے معاملات میں ہماری زیادتیوں کو معاف فرما اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

نوٹ۔ قرآن کریم میں یہ دعاء ایک بے نظیر اور عجائبات کا مجموعہ دعاء ہے۔ یوں تو قرآن کریم کی ہر دعاء ہدایت و تعلیم

ہر رنگ میں بے نظیر اور تکمیل تزکیہ نفس انسانی کا بے خطا نسخہ ہے لیکن اس دعار کا محل اور موقعہ بالکل الگ ہے۔ میں نے ترجمہ میں کہا ہے کہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا قول اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعار کرتے ہیں۔

یہہ دعار مخصوص ہے مجاہدین کے ساتھ ان مجاہدین کے ساتھ جن کو اسلام اور مسلمانوں، کی حفاظت اور دفاع کے لئے میدانِ جنگ میں آنا پڑا۔ یوں تو اس دعار کی وسعت کو ہم جہاد بالنفس سے بھی متعلق کر سکتے ہیں اور اس میں کیا کلام ہے کہ جہاد بالنفس تو جہادِ کبیر ہی ہے لیکن قرآن کریم میں جہاں یہہ دعار واقع ہے وہاں اس جہاد کا ذکر ہے جو مسلمانوں کو حفاظت اسلام اور مسلمانوں کے لئے مخالفین اسلام سے کرنا پڑا۔ اور وہ اعدائے اسلام کے مقابلہ میں ربانی اذن کے بعد آنے پر مجبور تھے۔

---

*۔ میں نے ترجمہ میں مجاہدین فی سبیل اللہ کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کسی قدر اس دعار کی حقیقت اور محل کو سمجھنے کے لئے میں توجہ دلاتا ہوں کہ قارئین کرام قرآن کریم سورۃ آل عمران رکوع ۱۴ اور ۱۵ کو پڑھیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ

(حاشیہ) ۔ یہیں مومن کے نصب العین اور اس کے جذبات شجاعت و استقلال کو بیدار رکھنے کے لئے وہ زرین اصول بتائے ہیں کہ دنیا کا کوئی مدبر اور کمانڈر نہیں بتا سکتا ۔ کامیابی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے اور ناکامی کے موجبات کیا ہوتے ہیں ؟

یہہ بجائے خود ایک نہایت لذیذ اور ایمان افزا مضمون ہے ۔ اس رکوع میں جنگ احد کا ذکر ہے اور اس میں مسلمانوں سے جو غلطی ہوئی اور اس کا جو نتیجہ ہوا اُسے آئندہ کے لئے بطور سبق اور ہدایت کے پیش کیا ہے میں مختصراً چند باتیں بیان کر دینا چاہتا ہوں ۔

اولاً ۔ جہاد فی سبیل اللہ میں بعض اوقات ایک کمزور طبیعت کا انسان یہہ سمجھتا ہے کہ میں مارا نہ جاؤں قرآن کریم یہ امر ذہن نشین کرنا چاہتا ہے کہ ہر نفس کے لئے موت مقدر ہے اور اس کا وقت مقدر ہے ۔ اور موت میدان جنگ ہی سے وابستہ نہیں وہ تو بروج مشیدہ میں بھی اپنے وقت پر آتی ہے اور ظاہر ہے کہ سب لوگ میدان جنگ میں نہیں مرتے ۔ موت کے دوسرے اسباب بھی ہیں غرض ایک دن موت آنے والی ہے اس یقین کے بعد موت کا خوف انسان کے دل سے نکل جاتا ہے

دوم ۔ یہہ بتایا کہ جنگ فی نفسہٖ تو بُری چیز نہیں ہاں دوسروں کے امن اموال اور اعراض پر حملہ کرنا اور اقدام یہہ بدترین فعل ہے انسان

کا بنیادی فرض سب سے اول یہہ ہے کہ وہ خود زندہ رہے اور دوسروں کو زندہ رہنے دے لیکن جب کوئی شخص اس کے خلاف دوسروں کی جان مال یا آبرو پر حملہ کرتا ہے تو یہی حق جو انسان کو زندہ رہنے کا ہے اسے حفاظتِ خود اختیاری کا حق دے دیتا ہے۔ اس لئے یہاں قرآن کریم نے یہہ بتایا کہ جنگ تو نبیوں کو بھی کرنی پڑی اور انکی رفاقت میں بہت سے ربانی لوگ تھے قرآن کریم تو ایک اصل بتاتا ہے مختلف اقوام وملل کی تاریخ پڑھو کہ ہادیان مذاہب کو بھی قیام امن اور احیائے شریعت کے لئے کسی نہ کسی رنگ میں جنگ کرنی پڑی۔

سوم۔ یہہ بتایا کہ ان لوگوں کی جنگ اپنے نفسانی اغراض یا ملک گیری کے سودائے خام کی بناء پر نہیں ہوتی تفصیل سے بیان کر دیا ہے اس لئے کہ معترضین اسلام نے اس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر فی سبیل اللہ سے مراد ہمیشہ لوگوں کو بہ جبر مسلمان بنانے کے لئے ہیں اور اس طرح پر اپنی حق پوشی اور ظلم کا اظہار کیا ہے حالانکہ اگر وہ قرآن کریم پر غور کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ قرآن کریم تو لا اکراہ فی الدین کا اصل قائم کرتا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر جائز ہی نہیں۔ آزادی ضمیر سب سے مقدم شئے ہے۔

قرآن کریم نے تو اقدام جنگ کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ اگر قرآن کریم کے احکام جنگ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف شعائر اللہ کی حفاظت

اور اسلام کی صیانت کے لئے ان لوگوں کے مقابلہ کا حکم دیا ہے جو اسلام کو مٹا دینا چاہتے تھے اسلام کی ابتدائی تاریخ کو دیکھو کہ مکہ کی زندگی میں مسلمانوں کو کس قسم کے دکھ اور تکالیف برداشت کرنے پڑے مگر انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ یہ خیال خام ہے کہ وہ کمزور تھے کمزور سے کمزور انسان بھی جب مقابلہ پر کھڑا ہو جاوے تو خواہ وہ خود ختم ہو جاوے مگر وہ بھی کچھ نہ کچھ کر کے رہتا ہے ان ابتدائی مصائب کو مسلمانوں نے برداشت کیا اور اپنے وطن اور عزیزوں اور املاک کو چھوڑ کر ہجرت کی لیکن جب اسلام کو مٹا دینے کے منصوبے کئے گئے اور مسلمانوں کو وہاں بھی امن سے رہنے نہ دیا تو مظلوم مسلمانوں کو مقابلہ کا حکم دیا اور اس میں بھی انتہائی احتیاطیں اور شرائط رکھے گئے۔

اول اسلامی جنگ میں مقدم مقصد حفاظت اسلام تھی حفاظت جان مال یعنی دفاعی اقدام دوسری چیز تھی۔

دوم یہ تعلیم دی کہ تمہاری طرف سے ابتداء نہ ہو اور بجز متحارب کے دوسروں سے جنگ نہ ہو یعنی صرف ان لوگوں سے جنگ کرو جنہوں نے تم پر حملہ کیا ہے اور صرف ان لوگوں سے جنگ ہو جو تم سے لڑتے ہیں جو لڑتے نہیں خواہ وہ لڑنے والوں کے متعلقین بھی ہوں ان پر حملہ نہ کیا جاوے۔ اور عورتوں۔ بچوں۔ بوڑھوں مذہبی لوگوں سے قطعاً تعرض نہ کیا جاوے نہ آبادیوں کو برباد کیا جاوے نہ زراعتوں اور باغات کو تباہ کیا جاوے۔

(بقیہ حاشیہ)

قرآن کریم کے الفاظ میں بہت بڑی وسعت اور انتہائی بلاغت ہے چنانچہ ارشاد قرآنی یہ ہے وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ؕ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔

یعنی اللہ کی راہ میں صرف ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے
جنگ کرتے ہیں اور اس مقابلہ دفاعی میں بھی حد سے نہ بڑھو
اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(سورہ بقرۃ آیۃ (۱۹۰)

باوجود اس کے ساری قوم اور قبیلہ اور بعض اوقات کل اقوام و قبائل (جیساکہ احزاب میں ہوا) حملہ آور ہوتے تھے مگر اسلام نے صرف حربی افواج سے جنگ کا حکم دیا ہے۔

تیسری شرط (جیساکہ لا تعتدوا کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے) دشمن کو صرف شکست دیدینا مقصود تھا انکی تباہی اور ہلاکت مد نظر نہیں تھی جب دشمن کی قوت اور طاقت کمزور ہو جائے تو اس سے جنگ بند کر دی جائے اور وہ صلح پر آمادہ ہو تو صلح کا ہاتھ بڑھایا جاوے۔ اسلامی جنگ میں قطعاً اتلاف جان و مال جائز نہ تھا اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنے دشمن کی آبادیوں اور انکی جائدادوں کو تباہ نہیں کیا جیساکہ اس زمانہ میں ہم نے حرب عمومی اور حرب عظیم میں مشاہدہ کیا۔ کہ دشمن کے گھروں

(تفسیر [illegible] صفحہ ۳۱۷)

(بقیہ حاشیہ)

جائدادوں اور افراد خاندان کو تباہ و برباد کر دیا۔ خطرناک زہریلے جراثیم اور سائنس کی جدید میکانکی ہتھیاروں سے۔ یہ درحقیقت یورپ کو اس کی اس گستاخی اور شوخی کا جواب اللہ تعالیٰ نے بطور سزا دیا ہے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں پر اور حضور کی ذات کے متعلق کرتے تھے حالانکہ اسلامی جنگوں کو اگر دیکھا جاوے تو وہ موجودہ جنگوں کے مقابلہ میں سراسر رحمت تھیں۔ اور قرآن کریم کو دیکھو کہ وہ میدان جنگ میں بھی تقویٰ اور خشیت کا حکم دیتا ہے اعتدال پر رہنے اور اعتدا سے بچنے کی ہدایت صادر کرتا ہے۔ مجھے اس مقام پر اسلامی جنگوں سے متعلق کوئی تفصیلی بحث مقصود نہیں بلکہ صرف فی سبیل اللہ کے معنے بیان کرنے کے لیے اس قدر لکھنا پڑا ہے پس یاد رہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد یہ نہیں کہ لوگوں کو جبراً تلوار کے زور سے مسلمان کیا جاوے۔ یہ اسلام پر اتہام ہے سراسر ظلم ہے۔ اسلام جنگ سے روکتا اور امن کا علم بردار ہے لیکن جب خود اسلام کے لیے خطرہ پیدا کر دیا جاوے تو وہ اسکی حفاظت اور صیانت کی حد تک صرف ان لوگوں سے مقابلہ کے لیے حکم دیتا ہے جو اس مقصد کے لیے حملہ آور ہوں یہ حملہ لسانی ہو تو جواب بھی لسانی ہو گا سنانی ہو گا تو جواب بھی ویسا ہی سنانی ہو گا۔

(عرفانی کبیر)

ہی جنگ فی سبیل اللہ ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ اور اس کے مرسل کو مٹا دینے کے لئے ایک قوم اپنی طاقت اور وسائل کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے کھڑی ہوتی ہے تب خدا تعالیٰ کے مرسلین اور انکی کمزور جماعت مجبور ہو جاتی ہے کہ وہ خدا کے دین کو قایم کریں خواہ اسکے کے لئے انکو اپنی جان کی قربانی کرنی پڑے اور جب ایسہ موقع آجا دے تو مومن مصائب اور مشکلات سے نہیں گھبراتا اور نہ وہ مشکلات اسکو پست ہمت کر سکتی ہیں بلکہ خود قوی حوصلہ ہوتے ہیں وہ بظاہر کمزور ہوں مگر ان کا دل مضبوط ہوتا ہے۔

یہہ اصولی تعلیم دے کر بتایا کہ عملی قوت پیدا کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا کرو۔ اور دعا یہ تعلیم کی۔

اس دعا کے اجزاء | دعا کا مقصد تو یہ ہے وانصرنا علی القوم الکافرین کافروں کی قوم کے مقابلہ میں ہماری نصرت فرما۔ اور ہمیں غلبہ بخش مگر اصل دعا کو دیکھو کہ وہ اسی قدر نہیں بلکہ اس دعا کی تمہید اس طرح پر شروع کی ربّنا اغفرلنا ذنوبنا اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ بظاہر یہ بے ربط سی چیز معلوم ہوتی ہے کہ کیوں اصل مقصد ہی مقدم نہ کر دیا کہ اے ہمارے رب ہمیں فتح و غلبہ عطا فرما اور ہماری نصرت فرما۔

لیکن قرآن کریم جو اپنے اسلوب بیان میں ایک بے نظیر کتاب ہے دعا اور اس کے اسباب کے تعلقات کو بتانا بھی ضروری سمجھتا ہے یہاں قبولیت دعا اور حصول مقصد کا طریق بھی بتا دیا ہے۔
دشمن کے مقابلہ میں فتح و ظفر کی کلید اپنے نفس کا تزکیہ اور اپنی سفلی خواہشات کا ترک ہے جب تک انسان خود اپنے جذبات نفس پر غلبہ حاصل نہیں پا لیتا اور اپنی سفلی خواہشوں پر حکومت کرنے کی اہلیت پیدا نہیں کر لیتا خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت اور حقیقی غلبہ اسے میسر نہیں آ سکتا۔
ایک نادان دنیا کی جنگوں میں کامیابی اور ناکامی کے اسباب کے دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے مگر ان جنگوں کے فاتح حقیقی فاتح نہیں ہوتے وہ جبر سے انسانی اجسام پر حکومت تو کر لیتے ہیں مگر مفتوح قوم کے قلوب ان سے باغی ہوتے ہیں اور جب بھی موقع ملے اس بغاوت کا ظہور ہو جاتا ہے۔
میدان جنگ میں گوشت اور خون کا کھیل ہوتا ہے اور اخلاق فاضلہ جو انسانیت کی روح ہیں مفقود ہو جاتے ہیں مگر قرآن کریم دنیوی شوکت اور فتوحات کو اصل مقصد قرار نہیں دیتا وہ انسان کے قلب کو خدا تعالیٰ کا عرش بنا دینا چاہتا ہے اور اس کے نفس کی بلونی

اور خواہشات ذاتی کا ذرا سا شائبہ بھی رہنے نہیں دینا چاہتا اس لئے میدان جنگ میں جانے والے مجاہد کو سب سے پہلی تعلیم یہ دیتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو پاک کرے اور اپنی حیوانی قوتوں کو مسخر کرے جب یہ عمل تسخیر اس کو حاصل ہو جائے گا تب اسے خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید حاصل ہو گی اور وہ قوم الکافرین پر غلبہ اور فتح کا مستحق قرار پائیگا پس یاد رکھو کہ انصرنا علی القوم الکافرین کی دعا کی قبولیت اور اس کے ثمرات سے متمتع ہونے کے لئے

پہلا قدم تزکیہ نفس ہے

جس کے لئے گناہ سوز فطرت کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ پھر دوسرا امر جو اس دعا میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوئے یہہ دعا کریں کہ اگر ہم سے کوئی زیادتی ہو جاوے تو اسکی بھی پردہ پوشی فرما۔ اس دعا کا کرنے والا اپنے عمل کی باریک سے باریک اور چھوٹی سے چھوٹی لغزش کا بھی خیال رکھے گا۔ اور حقیقت یہہ ہے کہ تزکیہ نفس اور تقوی کا وہ عالی مقام حاصل نہیں ہو سکتا جب تک انسان اس امر کا التزام نکرے اس دعا کی ترتیب اپنے اندر ایک طبعی نظام رکھتی ہے جب گناہ سوز فطرت پیدا ہو جاوے تو تقوی کی باریک راہوں پر بھی انسان بے غل و غش چلا جاتا ہے اور جب

دونو باتیں حاصل ہوں تو تیسری بات خود اسکے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور وہ ثبات قدم ہے اس لئے اسکو تیسرے درجہ پر رکھا۔ مومن کا سہارا سہارا اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے وہ اپنی کوششوں اور وسائل پر بھروسہ نہیں کرتا گو وہ انکو اختیار کرتا ہے اس لئے وہ غفر ذنب و اسراف فی الامر کی دعا کرتے ہوئے

ثبات قدم کے لئے دعا کرتا ہے

اور جب یہ تینوں چیزیں حاصل ہوں تو اس کے نتیجے میں کافروں پر غلبہ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے نفس پر حکومت کرے اور تمام امور میں اعتدال کو اختیار کر لے اسکے قدم قائم نہیں رہ سکتے اور جب یہ کمالات اپنے نفس میں پیدا کر لے جو محض خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانے پر پیدا ہوتے ہیں تو اسے خدا کی نصرت کا یقین ہو جاتا ہے

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے پاک بندوں کو

۵۲ مجاہدین کی ایک اور دعا

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ

ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ۔ اور جب وہ جالوت اور اسکی فوجوں کے مقابلے میں نکلے

انہوں نے دعا کی

اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارے قدموں کو

مضبوط رکھ اور ہم کو کافروں پر نصرت عطا فرما۔ (پ۲ سورہ بقرہ آیۃ ۲۵۱)

نوٹ۔ یہہ بھی مجاہدین فی سبیل اللہ کی دعا ہے اور یہ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے سورہ بقرہ دوسرے پارہ کے آخری رکوع کو پڑھنے سے اس کی تفاصیل کا علم ہوتا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے قرآن کریم کی اس آیۃ سے شروع کرو آیۃ ۲۴۶۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

یعنی کیا تو نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں

پر غور نہیں کیا جب انھوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہمارے

لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کے ساتھ ہو کر

اللہ کی راہ میں لڑیں۔

بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ اس نبی کا نام سیموئیل تھا چنانچہ اسموئیل کی کتاب

باب ۸ آیتہ ۱۹ و ۲۰ میں اس کا ذکر ہے کہ نبی بن یامین کی نسل میں سے سیموئیل نبی نے ساؤل کو ان کا بادشاہ منتخب کیا۔ وہاں بڑی تفصیل سے اس کا ذکر ہے۔ قرآن مجید صرف اس قدر واقعات کا ذکر کرتا ہے جو ضروری ہوں۔ قرآن مجید اس بادشاہ کا نام نہیں بتاتا مگر اس کی صفت بتاتا ہے کہ وہ طالوت تھا یہ صفاتی نام ساؤل کا ہے کیونکہ ساؤل سب سے لمبے قد کا تھا جیسا کہ اسی کتاب کے باب ۱۰ آیتہ ۲۳ میں لکھا ہے کہ

اور وہ جب جماعت کے درمیان کھڑا ہوا تو شانوں
سے لیکر اوپر تک سب لوگوں سے زیادہ لمبا تھا

غرض ساؤل کو بادشاہ مقرر کردیا گیا قرآن کریم کے اس مقام سے بادشاہت کے انتخاب کے اصول بھی بیان کر دئے ہیں اور ان امور کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ حکومت کو اپنے وفاداروں اور غداروں میں امتحان کرلینا ضروری ہے آج پانچویں کالم کا تذکرہ عام ہے مگر قرآن کریم پہلے سے اس اصل کو بتا چکا ہے الغرض جب ساؤل کی فوجیں نکلیں تب اس کی جماعت مجاہدین نے بھی یہی دعا کی کہ

اے ہمارے رب ہم کو صبر عطا فرما اور ثبات قدم دے اور کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما۔

اور اس دعا کو ربنا افرغ علینا صبراً سے شروع کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثبات قدم کے لئے ایک ضروری چیز صبر ہی ہے

صبر کی حقیقت | جب تک مومن اپنے اندر صبر کی حقیقت کو پیدا نہیں کر لیتا اسے ثبات قدم کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔

پس سوال ہو سکتا ہے کہ پھر صبر کیا ہے؟

صبر کے ایک معنے یہہ ہیں کہ طاعات پر قائم ہو اور معصیت سے بچے اور ان دونوں پر دوام ہو یعنی نیکی کرنے میں بھی دوام ہو اور معصیت سے بچنے میں بھی استقلال ہو۔ صبر کے ایک معنے یہہ بھی ہیں کہ اگر کوئی ابتلا آئے کسی قسم کی مصیبت اور مشکل کا سامنا ہو تو ہمت نہ ہارے شکستہ خاطر نہ ہو بلکہ ہمت بلند اور عزم صمیم پیدا کرے۔

قرآن مجید اور صبر کے جمیع اقسام | قرآن مجید صبر کے تمام اقسام کا جامع ہے اور جب تک انسان ان جمیع اقسام کا حامل نہیں ہو جاتا وہ صابر کامل کہلانے کا مستحق نہیں۔ اور سچ تو یہہ ہے کہ صبر ہی وہ کمال ہے جو انسان کو بہت سے اخلاق فاضلہ کے زیور سے آراستہ کرتا ہے شجاعت۔ بلند حوصلگی۔ عزم صمیم۔ استقلال۔ قوت برداشت غرض مختلف اخلاق فاضلہ ہیں جو صبر کے سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں اس لئے صبر کا مقام قرآن کریم میں انبیائے اولو العزم کا مقام ہے۔

صبر مومن کا تبلیغی حربہ ہے صبر کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے صبر صابر کو خدا تعالیٰ کی رحمت کا مستحق اور وارث بناتا ہے حقیقی صابرین کا نمونہ انبیاء علیہم السّلام کی ذات ہوتی ہے اور ان سب میں امام الصابرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ آپ کے لئے تمام وہ اذیتیں جمع ہو گئی تھیں جو متفرق طور پر پہلے نبیوں پر آئی تھیں۔

اب میں مختصر طور پر صبر کے اقسام یا مقامات کو بیان کرتا ہوں۔

مومن کو غیر اقوام اور منکرین اسلام سے اذیت دہ باتیں سننی پڑتی ہیں اس قسم کی تکلیف دہ کہ جن کو سن کر انسان کا خون کھولنے لگ جاتا ہے لیکن قرآن کریم ایسے موقعہ پر صبر کی تلقین کرتا ہے تاکہ جوش بیجا میں انسان اپنے دماغی توازن کو نہ کھو بیٹھے اور وہ اخلاقی فتح جو صبر سے پیدا ہوتی ہے اسے اپنے ہاتھ سے نہ کھو دے چنانچہ فرمایا

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (سورہ آل عمران رکوع ۱۹ آیۃ ۱۸۶)

ترجمہ۔ ضرور ضرور تم اپنے اموال اور اپنے نفوس میں آزمائے جاؤ گے اور یقیناً تم اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت سی اذیت بخش باتیں سنو گے (ان حالات کے پیدا ہونے کے وقت

اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو یاد رکھو یہہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔

دیدۂ عبرت کشا اس آیتہ میں ان ابتلاؤں کا ذکر ہے جو مسلمانوں کو پیش آنے والے تھے یہ ابتلا تین قسم کے تھے مالی۔ جسمانی اور ذہنی مالی اور جسمانی ابتلا خود انکے اموال اور نفوس پر آنے والے تھے اور ذہنی ابتلا یہ کہ اہل کتاب اور مشرکین اپنی زبانوں اور قلموں سے دکھ دیں گے اگرچہ یہہ پیش گوئی پہلے ہی پوری ہو چکی ہے مگر اس زمانہ میں جس میں ہم ہیں اس کی تجلی دل کو ہلا دینے والی ہے مال اور جان کا نقصان بے حد ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے جب سے حرب عمومی شروع ہوئی مسلمان ایک خطرناک ابتلا سے گذر رہے ہیں اور اب جبکہ حکومت برطانیہ نے اپنے اختیارات کو منتقل کیا ہے اور ہندوستان کی تقسیم ہوئی ہے مسلمانوں پر جو ابتلا آیا ہے۔ اس کی نظیر موجود نہیں۔

اور ذہنی اور روحانی تکلیف اس لٹریچر سے پہنچ رہی ہے جو اسلام کے خلاف عیسائیوں اور مشرکوں کی طرف سے شائع کیا گیا ہے اور جسکو کوئی شریف الطبع انسان پڑھ نہیں سکتا۔

بہرحال اس مقام پر صبر کی یہہ حقیقت بیان کی کہ جب تم کو اپنے دشمنوں سے اذیت دہ باتیں سننی پڑیں یا تمھارے اموال اور نفوس پر ضرب

کاری لگے تو دیکھو یہی وقت آزمایش اور امتحان کا ہے اس میں حوصلہ سے کام لینا اور اپنے دماغی توازن کو کھو کر ایسی حرکات نہ کر بیٹھنا جن سے ثبات قدم اور عزم صمیم میں فرق آجاوے۔ صبر ایسے موقع پر تم کو عزم صمیم کا مالک بناویگا اور تقوی کا یہ بھی ایک مقام ہے۔

جسمانی یا مالی ابتلا اور اذیت دہ باتوں کا سننا جن سے ذہنی اور روحانی اذیت ہوتی ہے یہ تین مرحلہ ایسے ہوتے ہیں کہ انسان انسانیت کے مقام سے گرجاتا ہے لیکن قرآن کریم اس موقع پر تمام اخلاق فاضلہ کے ایک مرکزی نقطہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ مرکزی نقطہ ہے عزم الامور

دنیا کی ساری کامیابیوں کی کلید اسی میں ہے اور یہی وہ چیز ہے جو انبیاء علیہم السّلام کا ناقابل خطا حربہ ہے چنانچہ سورۂ احقاف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم

پس تو اسی طرح صبر کر جس طرح پر اولوا العزم رسول صبر کرتے رہے اور انکے لئے جلدی نہ کر۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت سے صبر کا حکم دیا تاکہ آپ سے

وہ قوتِ عزم ظاہر ہو جو آپ کی شان اور کامیابی کی کلید ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ صبر انسان کو صاحب عزم بنا دیتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السّلام کے صفات میں سے ایک اعلیٰ صفت ہے عزم الامور کے متعلق قرآن کریم کے مقاماتِ ذیل پر نظر کرنے سے اور بھی وسعتِ فکر پیدا ہوتی ہے۔

(۱) سورۂ لقمان پارہ ۲۱ رکوع ۲ آیۃ ۱۷

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

حضرت لقمان بیٹے کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو تکلیف تمھیں پہونچے اس پر صبر کرو یعنی اس مشکل یا تکلیف کا مقابلہ کرو اور ہمّت نہ ہارو۔

اسلام مذہب امید ہے وہ کسی حال میں مومن کو مایوس کرنا نہیں چاہتا۔ وہ عسر یسر میں قدم آگے بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے

(۲) سورۂ شوریٰ پارہ ۲۵ رکوع ۴ آیۃ ۴۳

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

اور جو کوئی صبر کرے (اتنا ہی نہیں بلکہ) تکلیف دینے والے کو معاف بھی کر دے تو یہ تو بڑی ہمّت کے کاموں میں سے ہے۔

انبیاء علیہم السّلام تو صبر کے پیکر ہوتے ہیں قرآن مجید رسولوں کے اس

عزم کا اظہار اس طرح پر فرماتا ہے۔

سورۂ ابراہیم پارہ ۱۳ رکوع ۲ آیۃ ۱۳

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

ترجمہ۔ اور ہمیں کیا ہو گیا کہ ہم اللہ تعالی پر بھروسہ نہ کریں بجائیکہ اس نے ہماری زندگی کی راہوں میں ہماری رہنمائی کی۔ ہم ان ایذاؤں پر جو تم ہم کو دے رہے ہو ضرور ضرور صبر کریں گے۔ اللہ ہی کی ذات ہے جس پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

یہ انبیاء علیہم السّلام کے صبر اور توکل علی اللہ کے مقام کا اظہار ہے انہیں ہر قسم کی تکالیف دی جاتی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا جاتا مگر وہ ان اذیتوں پر ایک یقین کامل کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔

غرض قرآن مجید نے صبر کے ہر قسم کے اقسام کو جمع کر دیا ہے۔ اور صبر کو بہت سارے اخلاق فاضلہ کا منبع قرار دیا ہے اور وہ خود ایک خلق عظیم ہے اور اللہ تعالی نے انسان کی اکثر روحانی اخلاقی مادی ترقیات کا مدار صبر پر رکھا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیۃ سے

معلوم ہوتا ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا

یعنی ہم نے ان میں مقتدائے ہدایت (امام) بنائے جو ہمارے احکام کے ہادی ہوئے اور یہ مرتبہ و مقام انہیں اس لئے حاصل ہوا کہ انھوں نے صبر کیا۔

سورۂ سجدہ رکوع ۳ آیتہ ۲۵ اور سورہ بقرہ پارہ ۲ رکوع ۲۲ آیتہ ۱۷۸

میں ایک جامع حقیقت صبر بیان کی ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

یہ اس ہی آیتہ کا ایک حصہ ہے اس آیتہ میں کامیابی کے اصول خمسہ بیان کئے گئے ہیں اور یہ پانچواں اور نہایت اہم اصل صبر ہے چنانچہ فرمایا ہر قسم کی مصیبتوں اور تکالیف اور میدان جنگ کے مقابلہ میں صبر کرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً صادق ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔ اخلاق فاضلہ کی متعدد شاخیں اسی چشمہ سے نکلتی ہیں اور وہ اپنے افعال اور ثمرات کے لحاظ سے مختلف ناموں سے موسوم ہو جاتی ہیں مثلاً جب انسان شہوت کا مقابلہ کرتا ہے تو یہ صبر عفت کا نام پاتا ہے اور جب میدان جنگ میں وہ شریک ہو کر مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو یہی صبر شجاعت کہلاتا ہے اور...

اگر معاشی مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے تو قناعت کہلاتا ہے غرض یہ
صبر ایک بے نظیر نعمت ہے۔ اور قرآن کریم کے مختلف مقامات میں صبر
کے مدارج اس کے ثمرات کو پیش کیا ہے میں نے بطور نمونہ یہاں تشریح
کی ہے۔ اب میں پھر نفس دعا کی طرف آتا ہوں اس دعا میں خدا
تعالیٰ کی نصرت کے حصول کے لئے دعائے صبر کو پیش کیا ہے اور صبر
اپنے اندر وہ حقیقت بھی رکھتا ہے جو استغفار میں ہے استغفار بھی
تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے اور صبر بھی اس لئے کہ صبر کے معنوں میں میں نے
بتایا ہے نیکیوں پر دوام اور معصیت سے پرہیز اس سے تو طہارت باطنی
پیدا ہوتی ہے اور صبر علی البلاء سے اخلاق فاضلہ عزم استقلال
اور ہمت بلند ہوتی ہے جو کامیابی کے لئے لازمی اجزاء ہیں ہمیشہ اس
بات کو یاد رکھو کہ صبر ہی وہ دولت ہے جس کے ذریعہ معرفت الٰہی
پیدا ہوتی ہے اور صبر ہی وہ نعمت ہے جس سے انسان اپنے شرف
ذاتی اور کمال انسانی کی معرفت حاصل کرتا ہے اسلئے مجاہد فی سبیل اللہ
صبر کی دعا کرتا ہے وہ اس ہدایت اور پیغام ربانی کو پہونچانا چاہتا
ہے جو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملا ہے جب تک اس
میں وہ قوت برداشت نہ ہو کہ مصائب اور مشکلات میں ثابت قدم رہ
سکے تو اسے کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس کی طرف قرآن کریم نے

سورۃ العصر میں بھی اشارہ فرمایا ہے جہاں

تواصوبالحق والتواصو بالصبر

کی تعلیم دی۔

اس صبر کے نتیجے میں ثبات قدم نصیب ہوگا اس لئے اسے صبر کے بعد رکھا۔ صبر اور ثبات قدم جب اللہ کریم کے حضور سے میسر آیا تو کافروں پر نصرت کا آنا یقینی ہے۔ اگرچہ انسان ان امور کو اپنے اندر پیدا کر کے ثمرات کا مستحق ہو جاتا ہے مگر قرآن کریم انسان کے اس تعلق کو بڑھانا چاہتا ہے جو اسے اپنے رب سے ہونا چاہئے اس لئے وہ دعاؤں پر زور دیتا ہے اور مجاہد فی سبیل اللہ اس دعا کے ذریعہ کفار پر فتح و نصرت مانگتا ہے۔

---

۳۵ اتحاد قومی اور تزکیہ نفس کی دعا

وَالَّذِيْنَ جَاۤءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ؀

ترجمہ۔ جو لوگ (مہاجرین اور انصار کے زمانہ کے بعد) آئیں وہ یہہ دعا کرتے ہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گذر چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں مومنوں کے لئے کوئی غل پیدا نہو یعنی کسی مومن کی ترقی و خوشحالی اور برتری کو دیکھ کر حسد پیدا نہو۔ اے ہمارے رب تو رؤف الرحیم ہے۔

(نوٹ) یہہ دعا اسلامی اخوت کے دائمی ثمرات اور روح کو بیدار کرتی ہے اور تزکیہ نفس اور ہر قسم کے رزایل سے بچانے کا ذریعہ ہے یہہ آیت قرآن کریم کی سورہ حشر میں آئی ہے اور اس سے پہلی آیتہ میں مہاجرین اور انصار کا ذکر ہے مہاجرین کی قربانی اور ایثار کا ایک رنگ تھا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ابتداً ہر قسم کی تکالیف اور مصائب کو برداشت کیا مگر باطل کو قبول نہ کیا

بالآخر انھوں نے اپنے مال و اسباب عزیز و اقارب اور عزیز وطن (مکّہ) سے ہجرت کی اور بے سروسامان مدینہ میں حاضر ہو گئے۔ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اپنے ان عزیز بھائیوں کے لئے اپنے دروازوں کو کھول دیا اور اپنے اموال سے انکی مدد کی اور عہد اخوت کا عملی نمونہ دکھایا۔ دنیا کی تاریخ میں

مہاجرین اور انصار کی قربانی اور باہمی
محبت واخوت کی نظیر نہیں مل سکتی

اور یہ عملی زندگی ثبوت ہے قرآن کریم کی حقانیت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپ کی عملی زندگی اور تعلیم کی تاثیرات اور ثمرات کا۔

اس دعا میں آنے والی نسلوں کے لئے ایک ہدایت ہے کہ وہ اپنے زمانہ سے پیشتر کے مومنین کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں اور اس میں یہ سبق ہے کہ مومن دعاؤں میں صرف اپنے نفس ہی کو مقدم نہیں کرتا بلکہ اسکی دعا مکمل نہیں ہو سکتی جب تک دوسروں کو شریک نہ کرے۔

اور یہ ایک معیار ہے مومن کے اپنے ایمان کا اگر اس میں دوسروں کی بہتری اور بھلائی کا جذبہ کام نہیں کرتا اور اپنے نفس کے برابر انکو

نہیں سمجھنا تو یاد رکھو کہ وہ ایمان ابھی کچّا ہے یا یوں کہو کہ وہ بے ثمر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی محبت و اخوت کی جو تعلیم دی ہے اس کی نظیر دوسری کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ آپ نے فرمایا کہ لَا یومن احدکم حتی یحب لِاَخیہ ما یحبُ لنفسہٖ سنو! تم میں سے کوئی شخص حقیقی ایمان کو نہیں پا سکتا جب تک اس میں یہہ روح پیدا نہ ہو کہ جو چیز وہ اپنے نفس کے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لئے بھی چاہے۔ قرآن مجید مومنین کے باہمی تعلقات کو اخوت کا رنگ دیتا ہے قرآن کریم اس اخوت کی تعلیم کو مختلف رنگوں میں پیش کرتا ہے کبھی فرماتا ہے اِنّما المومنون اخوۃ مومن تو آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں۔ کبھی جاہلیت کے ایام کے باہمی تقار و جدال کا ذکر کر کے فرماتا ہے فاصبحتم بنعمۃ اخوانا تم مدت تک باہم دشمن تھے جب تم نے ایمان کی نعمت سے حصہ پایا تو صبح کو تم دشمنوں کی بجائے بھائی بن گئے۔ تمھاری عداوتیں محبت سے تمھارے جھگڑے مصالحت سے تبدیل ہو گئے۔ اور خود اس دعا میں بھی انکو اخوان ہی فرمایا غرض قرآن مجید نسل انسانی میں اوّلاً مساوات اور زان بعد بذریعہ ایمان حقیقی اخوت پیدا کرتا ہے یہہ دعا اپنے اندر ایک عالمگیر

وسعت رکھتی ہے اور گویا ساری اُمّت کے لئے دعا رہے خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہو۔ اس طرح پر کہ بعد میں آنے والے اپنے پہلوں کے لئے یہہ دعا کرتے رہیں گے۔ اور وہ خود عہد حاضر کے لوگ ہوں گے اس طرح پر اس دعا کی وسعت بڑہتی چلی جاوے گی۔

پھر اس دعا میں ایک اور عظیم الشان عمل کی طرف توجہ دلائی ہے اور وہ یہہ ہے کہ سکھایا ہے تم یہہ دعا کرو

لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

ہمارے دلوں میں مومنوں کیلئے کسی قسم کا حسد پیدا نہو۔

ایک نکتہ یہاں صرف غلًّا کا لفظ استعمال کیا ہے دراصل اس میں اشارہ ہے ان تمام افعال ذمیمہ سے بچنے کی ہدایت ہے جن کا اثر دوسرے لوگوں پر پڑتا ہے۔ کسی قسم کا کینہ۔ حسد۔ بخل۔ خشونت۔ ظلم۔ بدگوئی وغیرہ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ یہہ فعل ذمیم انسان کے اس جذبہ طبعی سے پیدا ہوتا ہے جس کو غضب کہتے ہیں یاد رکھو انسان مختلف جذبات کا پتلا ہے اور ان جذبات کا استعمال افعال ذمیمہ اور صحیح استعمال افعال حسنہ یا اخلاق بنا دیتا ہے پس اس مقام پر ایک لفظ کہہ کر ان تمام افعال ذمیمہ سے بچنے کی دعا تعلیم کی ہے اس طرح پر جیسے یہہ دعا ر اپنے اندر دوسروں کی مغفرت

کے لئے ایک وسعت رکھتی ہے اسی طرح خود دعا کرنے والے کے لئے بھی اپنی تاثرات کے لئے لاانتہا وسعت کو لئے ہے۔

اس دعا کو شروع کیا ہے ربنا اغفرلنا سے۔ اے ہمارے رب ہماری ستاری فرما اور مغفرت بخش۔ میں پہلے بھی کئی جگہ لکھ چکا ہوں کہ استغفار ہی تمام ترقیوں کا سرچشمہ ہے۔ انسان جس قدر استغفار پر مداومت کرتا ہے اور اس کی حقیقت سے واقف ہو کر کرتا ہے اسی قدر وہ تزکیہ نفس اور طہارت باطنی کے مرحلوں کو آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ اس کا مفہوم اور خلاصہ یہہ ہے کہ ہمارے اندر گناہ سوز فطرت پیدا کر دے اور ہم کو اپنے طبعی جذبات پر ایسی حکومت اور قدرت عطا فرما کر ہم انکی تعدیل و تطہیر کر کے اخلاق فاضلہ کے وارث ہو جاویں۔

غرض

یہہ دعا اپنے اثرات کے لحاظ سے ایک عالم کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اور یہہ باہم محبت و اخلاص اور اتحاد و اتفاق کی تعلیم دیتی ہے اس طرح پر اس میں مسلمانوں کی ترقی کے گر بتا دئے ہیں کہ انہیں چاہئے آپس میں جذبہ اخوت کو ترقی دیں اور اپنے طبعی جذبات کو صحیح طور پر استعمال کریں۔ ہر اس بری تحریک سے

بچتے رہیں جس کا اثر کسی نہ کسی رنگ میں دوسرے بھائی پر پڑتا ہو۔ اور اگر باہم کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو بجائے انتقام اور کینہ کے مغفرت سے کام لو تب تم اپنے رب سے اپنی غلطیوں اور کمزوریوں سے مغفرت کے صحیح معنوں میں طالب ہو سکتے ہو اور تب ہی تمھاری مغفرت ہو سکتی ہے غور کرو جب تم اپنے بھائی کی خطا معاف نہیں کرتے تو پھر کس منہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہو۔

اتحاد انسانی کا عالمگیر اصل | قرآن کریم نے اتحاد انسانی پر بڑا زور دیا ہے اور باوجود اختلاف لونی و لسانی کے با اختلاف عقائد و مذاہب کے بھی کیونکر وحدت انسانی قائم ہو سکتی ہے اس کے اصول بتائے ہیں اس دعا میں بھی اس کی طرف ہدایت کی ہے۔ وحدت انسانی کے لئے جسمانی اصل پر تو قرآن کریم نے بتایا کہ سب انسانی نسل ہونے کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں امتیاز پیدا کرنے والی چیز تقویٰ ہے اور روحانی اتحاد اس اخوت سے پیدا ہوتا ہے جو مومن ہو کر نصیب ہوتی ہے اور ہر قسم کے اختلافات کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے کے لئے شفقت و محبت کے جذبات پیدا کر دیتی ہے اور عالمگیر اتحاد کی بنیاد بن جاتی ہے اس لئے کہ

مومن آپس میں تو وہ رنگ اختیار کر لیتے ہیں گویا وہ ایک ہی وجود ہیں کانہم بنیان مرصوص۔ اور اخلاق فاضلہ کے مظہر ہونے کے وہ دوسری اقوام کے لئے بھی ایک مجسم رحمت بن جاتے ہیں ملے کہ قرآن کریم نے ان کے متعلق ہی فرمایا ہے کنتم خیر امتہ اخرجت للناس۔ تم بہترین امت ہو اس لئے کہ تم لوگوں کے لئے نفع رسانی اور خیر و برکت کا مرکز ہو۔ غرض اس دعا پر جس قدر غور کرو اس میں قرآن کریم کی تعلیم اس کے تاثیرات کو نمایاں پاؤ گے۔ میں ان تمام مقاصد کی تفصیل نہیں کر سکتا جو اس دعا میں موجود ہیں اور یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس حقیقت کے سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق دے آمین ثم آمین

۵۴ تکمیل نور کی دعا

(تمہیدی نوٹ)

انسان فطرتی طور پر لا انتہا ترقیات کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ مادی اور روحانی طور پر کمالات کی تکمیل چاہتا ہے۔ مومن کی ساری تمنائیں اور خواہشیں اللہ تعالیٰ کے قرب کے مقام کو حاصل کرنے کی ہوتی ہیں وہ اسی میں ترقیات کے مدارج طے کرتا ہے اور

جس جس قدر وہ ترقی کرتا ہے اس کی فراست ایمانی جو نور ہوتی ہے بڑھتی جاتی ہے اور نور کا کام ہے کہ وہ امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔ ایسا مومن اپنے راستہ میں کسی قسم کی روک کو محسوس نہیں کرتا وہ روکیں خود بخود اٹھتی جاتی ہیں اور اسے راستہ ملتا جاتا ہے قرآن کریم مختلف مقامات پر اسکی تصریح فرماتا ہے چنانچہ ایک جگہ متقی کے لئے فرماتا ہے

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا

(سورہ الطلاق رکوع اول)

یعنی جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کے ہر کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔

اس راہ میں اگر مشکلات بھی آئیں تو وہ آسان ہو جائیں گی۔ یہ آسانی دو قسم کی ہوتی ہے کبھی تو فی الحقیقت صحیح معنوں میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی متقی کی قوت برداشت اور عزم و استقلال اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ مشکل محسوس نہیں ہوتی۔ اسی سورۃ طلاق کے اسی رکوع میں فرمایا۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور جزائے اعمال کے قانون پر یقین رکھتا ہو اور جو تقویٰ اللہ اختیار کرتا ہو اللہ تعالیٰ اسکے لئے ہر مشکل میں نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا ہے۔

غرض جس جس قدر انسان تقوی اللہ میں ترقی کرتا ہے اسی قدر وہ نیکی کی باریک سے باریک راہوں کو پا لیتا ہے اور گناہ کے باریک سے باریک رستوں سے بچ جاتا ہے اسکی قوتِ امتیاز بڑھ جاتی ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فراست المومن سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نور اسکی رہنمائی کرتا ہے۔

یہ دعا جو تکمیل نور کی دعا ہے سورۃ تحریم کے دوسرے رکوع٭ میں آئی ہے اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اس ایمانی نور کے حصول کے طریق کو واضح لا بتایا ہے۔

پہلے رکوع میں کفر اور اس کی مکافات کا ذکر کیا۔ چونکہ قرآن کریم ایک پیغامِ امید ہے اس لئے کفر اور اس کے عواقب سے نجات کے طریق کی طرف رہنمائی کی کہ اسکی ابتدا توبۃ النصوح سے شروع ہوتی ہے۔ توبۃ النصوح سے مراد خالص توبہ ہے جو باوجود گناہ کی قدرت کے اس کے نزدیک نہ جائے۔ اور جس گناہ سے توبہ کی ہے اس کے مقابل کی نیکی اختیار کرے مثلاً ایک چور چوری سے توبہ کرتا ہے لیکن اس کے مقابل دیانت کو اختیار نہیں کرتا تو یہ نامکمل

٭ احباب کو چاہیے کہ اس مضمون کو بخوبی ذہن نشین کرنے کے لئے سورہ تحریم کو قرآن کریم میں تلاوت کریں۔ (عرفانی کبیر)

توبہ ہے یعنی گناہ سے باوجود منفاربت پرہیز کرے اور اس کے مقابل
نیکی پر مداومت کرے اس عمل کا نتیجہ یہہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے پچھلے
گناہوں کے بدنتائج سے محفوظ کردے گا اور گناہ سوز فطرت پیدا ہوجاےگی
اور اعمال صالح کی توفیق مل جاویگی اور اس کے صلہ میں جنت اسی
دنیا میں عطا ہوجائے گی یعنی ہر قسم کا اطمینان قلب ہر قسم کے خوف و حُزن
سے نجات۔

یہہ گناہ سوز فطرت اور راحت بخش جنت اسی نور کا نتیجہ
ہوگی جو انکو دیا جائے گا۔ اور انکے آگے اور انکے دائیں طرف دوڑتا
ہوگا۔ اسی نور کا ذکر سورہ حدید پارہ ۲۷ کی آیتہ ۱۳ میں بھی کیا گیا ہے
اس طرح پر کہ فرمایا کہ ایک دن آتا ہے جب تو مومن مردوں اور مومن
عورتوں کو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے آگے دوڑ رہا ہوگا اور ان کے
دائیں بھی نور ہوگا اور انھیں بشارت دی جائے گی کہ آج تمھارے
لئے بشارت ہے ایسے جنات کی جن کے نیچے سے ندیاں جاری ہیں
انہیں میں رہو گے اور یہی تو وہ اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے۔

غرض توبتہ النصوح سے انسان کو وہ نور ملتا ہے جو اسے ہر
قسم کی ٹھوکر سے بچاتا اور اس کے راستہ کو صاف کرتا اور جنات النعیم
اسکے ولا دیتا ہے مگر مومن اس پر قانع نہیں ہوجاتا۔ یہی وہ مقام ہے

جہاں قناعت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اور آگے بڑھنا چاہتا ہے اور اس کے اندر دعا کی تحریک ہوتی ہے اور جس طرح پر ایک فوارہ کے اندر سے پانی اچھلتا ہے اس کی دعاؤں میں اس قسم کا جوش پیدا ہوتا ہے اور جس طرح پر آبشار سے پانی گرتا ہے اس کی روح اسی قوت سے آستانہ الٰہی پر تذلل اختیار کر کے گرتی ہے تب اسکی دعا یوں ہوتی ہے۔

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(پارہ ۲۸ سورہ تحریم رکوع ۲ آیتہ ۹)

وہ اپنے رب کے حضور پکاریں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمارے لئے مغفرت کے سامان کر دے کہ ہمارے گناہ کے جذبات ٹھنڈے ہو جائیں اور پچھلی فروگذاشتوں کے بدنتائج سے محفوظ رکھ۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ مومن کی تکمیل نور کی دعا ہے یہ نور نتیجہ ہے تقوی کا گویا یہ دعا تقوی کے اعلیٰ مراتب کے حصول کی دعا ہے تقوی اللہ سے فراست ایمانی اور نور یزدانی عطا ہوتا ہے اس طرح پر یہ دعا ہے اس معرفت اور محبت کی جو انسان کو اللہ تعالےٰ

آپ عطا کرتا ہے۔

اس دعا میں قبولیت دعا کا گر بتایا گیا ہے کہ استغفار کو انسان لازم کرے اور دوسرے خدا تعالیٰ کی بے انتہا قوتوں پر ایک لذیذ ایمان پیدا کرے اور یہ قبولیت دعا کے لئے لازمی شرائط ہیں۔ پھر اس دعا سے یہ سبق ملتا ہے کہ مومن نیکی کے کسی مقام پر جا کر ٹھہر نہیں جاتا وہ اور آگے بڑھنا چاہتا ہے اسی میں سابق بالخیرات کی ایک حقیقت بھی نہاں ہے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔

اے میرے رب میرے نور کو درجۂ کمال پر پہنچا اور میرے گناہوں کو معاف فرما تو ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۷۴ مواخذہ الٰہی سے نجات اور نصرت الٰہی کی دعاء

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ

رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ○ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ؕ
لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا
اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا
حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ
لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ
مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ○ ع

(نوٹ) میں نے اس پورے رکوع کو (جس میں یہہ دعا آتی ہے اس لئے درج کر دیا ہے تاکہ اس دعا کی اہمیت اور وسعت سمجھ میں آجائے

یہہ قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کا آخری رکوع ہے اور جس طرح پر ایک بہترین خطیب اور قادر الکلام مصنف اپنے مقالہ کی اہمیت کے لحاظ سے جب کہ وہ بہت سے امور پر مشتمل اور طویل ہو آخر میں اس کا خلاصہ ایسے جامع الفاظ میں پیش کر دیتا ہے کہ اصل مفہوم و مقصد پر سننے یا پڑھنے والے حاوی ہو جائیں اس اسلوب بیان کو صحیح اور کامل طور پر قرآن مجید نے اختیار کیا ہے۔ اور اس رکوع میں سورہ بقرہ کا خلاصہ اور اسکے مقاصد عالیہ کے حصول کے ذرایع اور اسباب کو بیان کر دیا ہے۔ سورۃ بقرہ کے پہلے رکوع میں حصول تقوی اور ہدایت کے جو اصول بیان کئے تھے انکو کسی قدر وضاحت اور صراحت سے

یہاں بیان کیا اور اس ضابطہ حیات پر عمل کرنے کا نتیجہ اس رکوع
اول میں یہہ بیان کیا گیا ہے اُولٰئِكَ عَلٰی هُدًی مِن رَّبِّهِمْ وَاُولٰئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ یعنی ان معتقدات کو ماننے والے اور انکے موافق اعمال
بجا لانے والے لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور وہی کامیاب بامراد ہیں۔
اور یہاں اس آخری رکوع میں اس فلاح و فوز کی ناقابل خطا ترکیب
بتائی اور وہ دعا ہے۔
پھر سورۃ بقرہ میں توحید آلہی کی تعلیم دی گئی ہے کس طرح پر انسان
اس کے حدود کو توڑ دیتا ہے اور شرک کی طرف نکل جاتا ہے اس پر بھی
روشنی ڈالی ہے اس آخری رکوع میں توحید کا کمال اور انتہائی مقام
بتایا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور
مملوک ہے۔ اس لئے انمیں سے کوئی بھی شئے ایسی نہیں جس کو الوہیت
کا مقام دیا جاوے یا اپنے اداب عبادت میں سے کوئی طریق جو اللہ
تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اِن اشیاء میں سے کسی اور کے لئے بھی جائز
سمجھا جاوے بلکہ اس سے بھی آگے یہاں تک رہبری کی کہ یہہ اشیاء اپنے
خواص اور اعمال میں مملوک ہیں۔
اس لئے یہہ کہہ کر لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ انسان کی کامل
توحید کی طرف رہنمائی کی کہ جب تک اپنے ایمان میں یہہ روحِ بصیرت

پیدا نہیں کر لیتا وہ کامل الایمان موحد نہیں بن سکتا۔

قرآن مجید کی تفسیر اور اس کی تفہیم کے لئے قرآن مجید کو یکجائی طور پر زیر نظر رکھنا چاہئے۔ اس لئے اس توحید کامل کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم کے ان مقامات کو بھی زیر نظر رکھو جہاں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ تسخیر کائنات کی تصریح کی ہے کہ کائنات کو انسان کے لئے ہم نے مسخر کر دیا ہے ان مختلف مقامات میں ہر چیز کو انسان کے لئے بطور خادم کے ظاہر کیا ہے مختلف اشیاء کے نام لیکر آخر فرما دیا

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

(سورہ جاثیہ رکوع ۲ آیہ ۱۳)

یہہ رکوع سورۂ جاثیہ کا مسئلہ تسخیر سے ہی شروع ہوتا ہے۔ غرض سورۃ بقرہ کے اس آخری رکوع میں کامل توحید اور اس کے انتہائی مقام کی طرف رہنمائی کی کہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہے اور اس میں ہی یہہ اشارہ بھی کر دیا کہ انسان کے لئے جس کا مقام کائنات عالم میں خلیفۃ اللہ کا ہے اس ساری کائنات کو اس کا خادم بنا دیا۔ جو اشیاء اس کی خادم اور غلام ہیں کیا وہ اس کی معبود اور مسجود یا مخدوم

ہوسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور اس رازِ توحید کے سمجھ لینے میں ہر قسم کے علوم و ایجادات اور خواص الاشیاء کی تحقیقات کے راستے کھل گئے ہیں اسی لئے قرآن مجید نے فرمایا کہ اسی رازِ تسخیر کو سمجھ لینے سے متفکرین کی قوت فکریہ آیات کو دیکھ لے گی۔

عملی قوتوں کی تربیت | توحید کی حقیقی روح ایمان میں پیدا کرنے کے لئے یہ بیان کرنے کے بعد کائنات عالم کی ہر چیز مخلوق ہے انسان کو اس مرکزی نقطۂ اعمال کی طرف توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب عالم الکل ہے۔ تمہارے قلوب میں گذرنے والے خیالات و جذبات جن کو تم مخفی رکھتے ہو یا وہ ابھی تم سے بھی مخفی ہیں یعنی آج پیدا نہیں ہوئے پھر کسی وقت پیدا ہوں گے یا جن کا اظہار تم کسی نہ کسی رنگ میں کرتے ہو اللہ تعالیٰ انکو جانتا ہے اور اُن کا محاسبہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر ایمان انسان کی عملی قوت میں روح سعادت وخیر پیدا کرتا ہے انسان جب گناہ کرتا ہے یا اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس کے اخفا کی کوشش کرتا ہے۔ قرآن کریم نے جہاں انسان کو توحید کامل کا سبق دیا وہاں حصولِ حسنات کا ناقابل خطا نسخہ بھی بتا دیا۔ دنیا کی کوئی قوم اور اس کا کوئی قانون اصلاح اعمال میں کامیاب نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ اعمال کے مرکز کی اصلاح نہیں کرسکتا مگر یہ قرآن کریم

کا ایک یگانہ کام ہے کہ صادر اعمال کے مرکز کی اصلاح کرتا ہے جسکی طرف یہ آیتہ اشارہ کرتی ہے۔

بات میں بات میں اس رکوع کی تفسیر نہیں لکھ رہا بلکہ اس رکوع میں آئی ہوئی دعا کی فلاسفی بیان کرنا میرا مقصد ہے لیکن موقعہ پر ایک ضمنی امر کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس حصہ آیتہ وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط کو اسی رکوع کی ایک اور آیتہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا سے منسوخ قرار دیا ہے۔ میں جب بھی اس قسم کی کوئی بات سنتا ہوں یا پڑھتا ہوں تو میرے دل میں ایک دکھ اور درد پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی عظمت وشان اور اس کے ایک زندہ اور غیر فانی کلام ہونے کا اعتقاد رکھ کر کیوں اس قسم کے خیال پیدا ہوتے ہیں اصل یہہ ہے۔

چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

قرآنِ مجید میں کوئی ناسخ منسوخ نہیں۔ اور یہاں بھی یہہ آیتہ منسوخ نہیں اور نہ لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا اس کی ناسخ ہے پہلی آیتہ کا مفہوم تو اسی قدر ہے کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ اس کے مطابق تم سے محاسبہ کرے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا اظہار ہے۔ اور قرآنِ مجید میں سورہ آل عمران ہی میں فرمایا (سورۂ آل عمران رکوع ۳ آیتہ ۲۹)

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ کہہ: کہ جو کچھ تمھارے سینوں میں ہے اسے مخفی کرو یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے (اس کا علم تمھاری ذات تک ہی محدود نہیں) جو کچھ زمین آسمان میں ہے اس سب پر اس کا علم محیط ہے۔

گویا سورۂ آل عمران کی یہہ آیتہ جو سورۂ بقرہ کے بعد ہی نازل ہوئی ہے اس کی حقیقت اور مطلب کو واضح کرتی ہے میں پھر کہوں گا کہ یہہ غلطی حقیقت کو نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے۔ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ کا مفہوم یہ سمجھ لیا گیا کہ انسان کے قلب میں جو خیالات گزرتے ہیں خواہ وہ عملی رنگ میں ظہور پذیر نہوں اس پر بھی مواخذہ ہوگا۔ یہ مفہوم اس آیتہ کے کسی لفظ سے پایا نہیں جاتا۔ خیال کا آنا اور اس کے موافق عمل کرنا یا نکرنا دو مختلف صورتیں ہیں مجرد خیال بد کا آجانا اور اس پر عزم نکرنا یا اسکو عملی صورت نہ دینا قطعاً اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو عملی صورت میں ہونا۔ قرآن کریم نے جزائے اعمال کے لئے ایک میزان کو قایم کیا ہے۔ میں اس پر زیادہ بحث نہیں کرتا کہ مضمون لمبا ہو جائے گا۔ البتہ

قارئین کرام کو سورۂ نجم پارہ ۲۷ رکوع ۳ آیتہ ۳۲ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہاں اس مسئلہ کو اور بھی واضح کیا ہے وہاں بھی آیتہ کو وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع کیا ہے قرآنِ مجید کا فلسفہ اعمال ایک بہت وسیع اور وقیع ہے میں نے اشارہ کر دیا ہے فمن شاء فلیرجع الیہ غرض ناسخ و منسوخ کی بحث سرے سے ہی غلط ہے۔ صرف آیتہ کا مفہوم اور منشا نہ سمجھنے سے یہہ غلطی سرزد ہوئی۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکی اس غلطی کو معاف کریگا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ الرَّحِیْم۔

مشیت الٰہی کا تقاضا اس اصل کو جو میں نے ابھی بیان کیا ہے سمجھ لینے کے بعد یہہ مسئلہ بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہہ تو تزکیہ نفس کے لئے ایک گُر ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے علم کامل پر ایمان لائے۔ چنانچہ اس کے بعد جو حصہ آیتہ ہے فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وہ اور بھی اس کو واضح کر دیتا ہے اس میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خیالات و جذبات کی رو میں سے جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے یا ان کا ظہور عملی نہیں ہونے پاتا اور جن کا عملی ظہور ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی مشیت کا قانون اپنا کام کرتا ہے اگر وہ اعمال قابل تعزیر ہیں تو سزا ملتی ہے مشیت الٰہی سے صرف ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جزائے اعمال کا قانون اپنا عمل کرتا ہے۔ اس کے بعد پھر ان عقاید ایمانیہ کا ذکر کیا ہے جو

آمَنَ الرَّسُوْلُ سے شروع ہوتے ہیں۔ اگر ذرا سا فکر اور تدبر کیا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ سورہ بقرہ کے رکوع اول میں جو یُؤمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ فرمایا تھا یہہ اسی کی تفسیر اور توضیح ہے

سورہ بقرہ سے تعلق

اور ایمان بالرسل کے متعلق بتایا کہ نفس نبوت و رسالت منجانب اللہ ہیں انمیں کوئی تفریق جائز نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایک ہی درجہ اور مرتبہ کے تھے اس لئے کہ قرآن کریم خود تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض کہتا ہے بلکہ مساوات اس جہت سے ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے مرسل تھے۔

اس کے بعد مومنین کے طرزِ عمل کو پیش کیا ہے کہ مومن انکی دعوت حقہ کو سن کر کہتے ہیں کہ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ کہ ہم نے سن لیا اور صرف سن ہی نہیں لیا ہم نے اطاعت کی اگر اس عمل میں کوئی کمزوری ہو تو تیری حفاظت چاہیئے اور بالآخر تیرے حضور ہی پہونچنا ہے۔ یہاں سے اصل دعا شروع ہوتی ہے۔ اصل دعا کا مغز اور فلاسفی بیان کرنے سے پہلے اس آیتہ (لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا لَھَا مَا کَسَبَتْ) کے متعلق بھی کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہے اس آیتہ میں یہہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو جو احکام شریعت دیے

گئے ہیں وہ اس کی استعداد اور بشری طاقتوں سے بالاتر نہیں۔ اسے تکلیف مالا یطاق نہیں دی گئی جب اس کے فطری قویٰ اس قسم کے ہیں کہ وہ اس کے ضابطہ زندگی کے لئے عمل کی روح رکھتے ہیں تو انسان کسی حکم کے متعلق یہہ نہیں کہہ سکتا کہ میری طاقت سے باہر ہے یا میں اسے پورا نہیں کر سکتا۔ اسی حقیقت کے نہ سمجھنے سے عیسائیوں نے نعوذ باللہ شریعت کو لعنت سمجھا۔ اسی حقیقت کے اظہار سے قرآن مجید نے

مردہ دلوں کی مسیحائی کی

اور مایوسی کو کفر قرار دیا۔ اس کے بعد فرمایا لہا ماکسبت وعلیہا ما اکتسبت یعنی جب انسان کو کوئی حکم ایسا نہیں دیا گیا جو اسکی قوت عمل سے بالاتر ہو تو وہ کیوں نتائج اعمال کے لئے ذمہ وار نہ قرار پائے اس لئے فرمایا اگر وہ نیک کام کرتا ہے تو اس کا اجر اس کے لئے ہے اور اگر کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کا پھل بھی وہی پائے گا۔

انسان اپنی قسمت کا آپ معمار ہے

قرآن مجید کو جس قدر امعان نظر سے پڑھا جائے اس قدر واضح ہوتا ہے کہ انسان اپنی تقدیر کا آپ معمار ہے جبکہ مظاہر قدرت اس کے لئے مسخر کر دیے گئے۔ اور اس کے فطری قویٰ اس اصل پر روئے گئے کہ وہ احکام الٰہی کی تعمیل باسانی کر سکتا ہے تو پھر جزائے اعمال کے لئے وہ آپ

ذمہ دار ہے خدا تعالیٰ اپنے قانون شریعت کے رو سے اس کے نتائج اور ثمرات دیتا ہے۔

قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ایک مختصر سے مختصر جملے میں حقائق کے ایک دفتر کو پیش کر دیتا ہے یا یوں کہو کہ ایک کوزہ میں سے سمندر پیدا کر دیتا ہے اسی ٹکڑہ آیتہ کو دیکھو اس میں انسانی زندگی کے تمام مفاد و مضار کی ایک کلید بتادی ہے کہ ہر قسم کی خیر و برکت کے ذخائر موجود ہیں اور ان کے حاصل کرنے کے لئے انسان کا صحیح طریق عمل بکار ہے انسان اپنی قسمت کا آپ معمار اور اپنی کشتی مراد کو ساحل نجات پر لے جانے کے لئے آپ ہی اپنا ناخدا ہے کاش اس حقیقت کو مسلمانوں نے سمجھا ہوتا! یہ تفہیم دینے کے لئے بعد کہ انسان کو اپنے ضابطہ عمل کے لئے مافوق الطاقت ہدایات نہیں دی گئیں اور یہ بتا دینے کے بعد کہ وہ اپنی خیر و شر کا آپ صانع ہے جو اس کی قوت عمل کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ اب اس طرف اسے توجہ دلاتا ہے کہ اپنی خداداد قوتوں سے کام لیتے ہوئے بھی ان پر سہارا اور بھروسہ نکرے بہت ممکن ہے کسی قسم کی کوتاہی اور غفلت تم سے سرزد ہو گئی ہو اس لئے خدائے تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ اور یہاں سے وہ دعا شروع ہوتی ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا الا آخر

اس دعا کی وسعت اور خصوصیت جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے یہ

دعا سورۃ بقرہ کے آخری رکوع اور آخری آیات میں ہے سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْن کہہ کر ان نتائج اور ثمرات کو بتایا تھا جو مومن باللہ مومن بالکتاب مومن بالرسل ہو کر اور اس ایمان کے موافق عملی زندگی بسر کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کی یہ عجیب اور اعجازی شان ہے کہ وہ تمدنی اور اجتماعی روح پیدا کرتا ہے وہ صرف فرد کی اصلاح اور اس کی ترقیات کے اصول نہیں بتاتا بلکہ وہ ایک قومی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد رکھتا ہے اس دعا میں انسان صرف اپنے آپ کو برنگ سائل نہیں پیش کر رہا ہے بلکہ وہ ایک اجتماعی حیثیت میں آستانہ الوہیت پر رَبَّنَا کہہ کر پکارتا ہے

سورۃ فاتحہ اور اس دعا میں تعلق | یوں تو قرآن مجید کی تمام آیات میں اوّل سے آخر تک ایک ربط اور ترتیب ہے اور اس ترتیب کے مختلف پہلو اور مدارج ہیں مگر اس دعا کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور وہ کئی طرح پر ظاہر ہوتا ہے۔ اوّل سورۂ فاتحہ کا روزانہ تکرار ہر نماز اور ہر رکعت میں ضروری ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو رات میں پڑھتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہے یہ ارشاد اس دعا کے تکرار اور روزانہ پڑھنے کی تاکید کرتے ہوئے ہے۔ اور ایک دوسرے مقام

پر فرمایا کہ خواتیم نفرہ دو ایسے نور ہیں کہ پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ اس سے اس دعا کی اہمیت اور خصوصیت اور وسعت کا اور بھی پتہ چلتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر نبی دنیا میں آئے وہ مختص المقام اور مختص الزمان تھے انکی نبوۃ کا دائرہ ایک خاص حد تک محدود تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ نبوت عالمگیر اور انتہائی وسعت اپنے اندر رکھتا ہے آپ ایک بین الاقوامی نبی تھے اس لئے یہ بالکل سچ ہے کہ جو کچھ آپ کو علاوہ کسی پہلے نبی کو نہیں دیا گیا

چنانچہ اس دعا میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ہر کافر قوم پر وہ کہیں رہتی ہو کسی رنگ کی ہو کوئی زبان بولتی ہو اس پر فتح اور نصرت چاہی گئی ہے۔ اور یہہ غلبہ اور فتح جسمانی حکومت و سلطنت سے وابستہ نہیں اور نہ دنیوی جنگیں اس کے مدنظر ہیں بلکہ یہہ دعا جہاں واقع ہوئی ہے اس کے سیاق سباق میں جنگ کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ اصل بات یہہ ہے کہ اسلام اور کفر کی جنگ تو ہمیشہ چلی آتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کے مظہر کامل تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقام اسلام کا ذکر اس طرح پر فرمایا کہ انا اول المومنین یا اول المسلمین۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو یہ بھی بشارت دی کہ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ؕ
پس اسلام کے غلبہ کے وعدہ کے لئے مومنین و مسلمین کا یہ فرض ہے کہ وہ صرف اپنی مساعی اور تدابیر پر حصر نہ کریں بلکہ خدا تعالیٰ کے حضور جھکے رہیں۔ اظہار الدین کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کو مقدر فرمایا جو مسیح موعود علیہ السّلام کے نزول کا وقت ہے اور وہ در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثت ثانیہ تھی اور یہی وقت تھا کہ ادیان عالم میدان میں نکل آتے اور اسلام ہر رنگ میں ان پر غالب آتا اسی لئے حضور نے اس دعا کی مداومت کا حکم دیا پس یہ روح اور فلاسفی ہے اس دعاء کی مگر اس دعا سے پہلے یہ اصل بیان کیا کہ انسان کی عملی زندگی کے قوانین اسکی استعداد و قدرت کے اندر ہیں اور وہ آپ اپنی جنّت و نار کا معمار ہے اور اسی دُنیا میں اسے بناتا ہے اور اس کے نقائص عقلی اس کی ذات اور شخصیت تک محدود نہیں اسے اس نور اور حق کو عالم میں پہنچانا اور کفر پر اسلام کو غالب کرنا ہے۔

اس لئے اسے چاہئے

کہ وہ اس دعا میں مصروف رہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کی دعا

تمہیدی نوٹ حضرت یوسف علیہ السّلام حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بیٹے اور حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السّلام کے پوتے تھے اور خاندان یعقوب میں ایک عظیم الشان پیغمبر تھے قرآن مجید میں ان کے نام پر ایک مستقل سورۃ ہے حضرت یعقوب علیہ السّلام کو آپ سے بڑی محبت تھی انکی عادات وخصائل کی خوبی کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کو علم تھا کہ وہ ایک ذی شان نبیؐ ہونے والے ہیں۔ سن رشد سے پہلے ہی وہ رویائے صالحہ کی نعمت سے بہرہ ور تھے۔ قرآن کریم نے آپکے ذکر کو قرآن کریم میں احسن القصص فرمایا اور کوائف یوسفی کے متعلق ارشاد ربانی ہوا فیہ آیات للسائلین۔ اور اس میں کیا کلام ہے کہ کوائف یوسفی اپنے اندر حقائق ومعارف بصائر ونظائر کا ایک گنج شایگان ہے اور در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیاب زندگی اور کمالات کا ایک نقشہ ہے۔ سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السّلام کی زندگی ایک اُسوۂ حسنہ ہے کہ مختلف ابتلاؤں اور آزمائشوں میں باخدا انسان کی طرح کامیاب نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا، کو مقدم کرکے کس قسم کے فضلوں کا وارث ہوتا ہے

حضرت یوسف علیہ السّلام کے ابتلاؤں میں ایک ابتلا، عزیز مصر کی عورت کی نفسانی تحریک کا ابتلا تھا جس میں وہ عفیف ثابت ہوئے اور باوجود بے گناہ ہونے کے آپ کو قید ہونا پڑا۔ اور وہی سلسلہ آپ کی آیندہ ترقیات کا باعث ہوا۔

ہر بلا کیں قوم راحق دادہ است
زیرِ آن گنج کرم بنہادہ است

(عرفانی کبیر)

۶۱ یوسفی دعاء

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ۔ (حضرت یوسف نے دعاء کی) کہ اے میرے رب جس بات کی طرف وہ مجھے بلاتی ہیں اس کے مقابلہ میں مجھے قید خانہ میں جانا زیادہ پسند ہے اور اگر انکی تدبیر کے بدنتیجہ کو تو مجھ سے نہ ہٹائے گا تو میں انکی طرف جھک جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

(تفسیری نوٹ) حضرت یوسف علیہ السّلام کی عزیز مصر کی

بیوی کی تحریک بار کا جو ابتلا پیش آیا تھا اس میں وہ صاف عفیف ثابت ہوئے اور خود عزیز کی بیوی نے اس کا اعتراف کیا کہ میں نے اس کی مرضی کے خلاف اس سے ایک بدی کا ارتکاب چاہا تھا مگر وہ اس سے بچ نکلا یہاں خود حضرت یوسف اپنی دعا میں اظہار کرتے ہیں کہ انکے نفس میں اس کی طرف کسی قسم کا خیال اور جھکاؤ تک نہ تھا مگر اس فضل کو وہ اپنی کسی خوبی کا نتیجہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم پر محمول کرتے ہیں اور آئندہ بھی جو تجاویز اور مکاید کئے جا رہے تھے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سامنے دو ہی باتیں پیش کی گئی تھیں یا ارتکاب فعل یا قید خانہ حضرت یوسف نے قید خانہ کو اس ارتکاب فعل بد کے مقابلہ میں ترجیح دی یہ آپ کے کمال عفت کا اظہار ہے اور اس میں ایک بے نظیر سبق ہے کہ مومن خدا تعالیٰ کی حرام کی ہوئی شئے کے نزدیک جانے کے مقابلہ میں ہر بلا اور تکلیف کو آسان سمجھتا ہے۔

۴۶ حضرت یوسفؑ کی دوسری دعا

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

ترجمہ۔ اے میرے رب تو نے مجھے حکومت (کا ایک حصہ) بھی

عطا کیا اور اپنی باتوں کی حقیقت کا بھی کچھ علم تو نے مجھے بخشا ہے
اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت
میں میرا مددگار ہے (جب بھی میری موت کا وقت قریب آئے)
مجھے اپنی کامل فرمانبرداری کی حالت میں وفات دے اور
صالحین کی جماعت کے ساتھ ملا دے۔

(تفسیری نوٹ) اس سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السّلام کے مصر پہونچنے اور باپ بیٹے کی ملاقات اور مکالمہ کا ذکر ہے۔ اور اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ذکر کرتے ہیں اور اسی سلسلہ میں محبت الٰہی کا ایک شعلہ بھڑک اُٹھتا ہے اور سب کچھ بھول کر اللہ تعالیٰ کے حضور توجہ کرتے ہوئے اس کے انعامات کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ تیری ہی عطا ہے تو نے ہی مجھے تاویل الاحادیث کا علم دیا یعنی تعبیر خواب کا علم بخشا تو ہی زمین و آسمان کا خالق ہے۔ دنیا کی ساری برکات مجھے حاصل ہو چکی ہیں تو ہی میرا دنیا و آخرت میں ولی ہے اس زندگی کا ایک خاتمہ ہے پس جب موت آئے تو تیری کامل فرمانبرداری میں آئے اور میں ان لوگوں میں شامل رہوں جو تیرے حضور پسندیدہ اور صالح ہیں۔ حضرت یوسفؑ کی یہ

دعا ایک مشعلِ راہ ہے۔ کہ انسان اس دُنیا میں ایک حقیقی مسلم کی زندگی بسر کرنے کی تمنّا کرے اور اس کے لئے سعی کرے انبیاء علیہ السّلام کی زندگی بھی سبق دیتی ہے حضرت یعقوب علیہ السّلام جب فوت ہونے لگے تو انھوں نے اپنی اولاد کو یہی وصیت کی کہ لا تموتنّ وانتم مسلمون یعنی تمھیں ایسی حالت میں موت آوے کہ تم حقیقی مسلمان ہو چونکہ انسان نہیں جانتا کہ اسے کب موت آئے گی اس لئے اس وصیت کا یہہ راز سمجھایا کہ ہر وقت ہی کامل مسلم بنے رہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۙ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۙ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ترجمہ۔ ہر قسم کی حمد کا اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے جو بلا مبادلہ رحم کرنے والا ہے اور بار بار رحم کرنے والا ہے اور جزا و سزا کے دن کا مالک ہے۔

(اے ان صفات کاملہ والے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے
ہیں اور تیری ہی مدد چاہتے ہیں
تو ہم کو صراطِ مستقیم (راہِ راست) پر چلا (ہاں) اِن لوگوں
کے راستہ پر جن پر تو نے انعام کیا
ان لوگوں (کے راستے سے بچا) جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ
اِن لوگوں کے راستہ پر جو خود گم کردہ راہ ہیں

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ
شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ
وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

تو کہدے میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ہر چیز کی بدی سے جو
اس نے بنائی اور بدی سے اندھیرے کے جب سمٹ جائے
اور بدی سے پھونکنے والیوں کی گرہ میں اور بدی سے بُرا چاہنے
والے کے جب حسد کرے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ
فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝
ترجمہ۔ تو کہدے میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے

بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی چھپ جانے والے شر سے
وسوسہ سے چھپ جانے والے کی جو خیال ڈالتا ہے لوگوں
کے دل میں جنوں اور آدمیوں میں سے

نوٹ

سورہ فاتحہ جو اُم الکتاب ہے اور ایک ایسی دعا ہے جو ہر روز ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس کی تفسیر ایک مستقل کتاب کو چاہتی ہے اس لئے سورہ فاتحہ اور اس کا صرف ترجمہ درج کر دیا جاتا ہے ایسا ہی معوذتین قرآن کریم کی آخری دو سورتیں بھی کثرت سے پڑھی جاتی ہیں انکو بھی صرف ترجمہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ تفسیر اللہ نے چاہا تو کسی دوسرے موقعہ پر شایع کر دی جائے گی۔

(عرفانی کبیر)

مومنین کی دعائیں

مردِ مومن کی زندگی اور اُس کے نظامِ عمل کا سارا انحصار دعا پر ہوتا ہے کبھی اُس کی زبان کامل اضطرار کی حالت میں ہاتھ پھیلا کر اپنے مولیٰ کریم کے حضور اپنے مقاصد و اغراض کو پیش کرتی ہے اور کبھی اس کا دل دماغ آستانہ الٰہی پر جھکا ہوا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال لیل و نہار پر جب ہم غور کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ آپ کی زندگی کی ہر حرکت و عمل کے موقع پر ایک دُعا خود مانگتے ہیں اور امتہ کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بیت الخلاء میں جاتے وقت اور وہاں سے نکلنے کے وقت کے لئے بھی دُعا کی ہدایت فرماتے ہیں۔ کھانا شروع کرتے وقت کھانا کھا چکنے کے بعد نیا لباس پہنتے وقت سوتے وقت جاگتے وقت۔ بازار میں چلتے ہوئے غرض کوئی ایسا موقعہ نہیں کہ آپ دُعا نہ کرتے ہوں اور دعا کرنے کی ہدایت نہ فرماتے ہوں اس کی تفصیلی بحث اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو پیارے رسول کی پیاری دُعاؤں میں لکھونگا۔ یہاں مجھے قرآن مجید میں مومنین کی جو مختلف دُعائیں آئی ہیں ان کو بیان کرنا

چاہتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔ ھو نعم المولیٰ ونعم الرفیق۔

۵۷ اولوالالباب کی دُعاء

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ
النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ
قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ
اَخْزَیْتَهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا
مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا قلے
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا
مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا
تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ اٰل عمرٰن رکوع ۲۰ آیۃ ۱۹۱-۱۹۴

ترجمہ :۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات
اور دن کے اختلاف میں اولوا الالباب (عقل والوں
کے لئے نشانات ہیں (۱۹۰) (یہ عقل والے کون ہیں؟)
یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے
اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش
میں فکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔[1] اے ہمارے رب تو نے
تو اس کو بے فایدہ (باطل) پیدا نہیں کیا۔
تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچاؤ (۱۹۱)
اے ہمارے رب[2] بے شک جس کو تو آگ میں داخل
کردے یقیناً تو نے اس کو رسوا کر دیا اور ظالموں کا
کوئی مددگار نہیں ہو سکتا (۱۹۲)[3] اے ہمارے رب
بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان
کے لئے پکارتا ہے (یہ کہکر کہ) تم اپنے رب پر ایمان
لاؤ پس ہم ایمان لائے۔ اے[4] ہمارے رب پس
ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری برائیوں کو
ہم سے دور کر دے اور ہماری وفات راستبازوں
کے ساتھ ہو (۱۹۳)[5] اے ہمارے رب اور ہمیں وہ

نعمت عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے
ذریعہ وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن ہم کو رسوا نکریو
بے شک آپ خلاف وعدہ نہیں کرتے (۱۹۴).

تفسیری نوٹ اس جگہ مومنین کی چار دعائیں جمع کی گئی ہیں اور ان مومنین کا نام اولوا الالباب رکھا ہے صاحبان عقل وفکر ان اولوا الالباب کی دو صفات بیان کی ہیں اول یہ کہ وہ کائنات عالم میں غور و فکر کرتے ہیں. اس غور و فکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں ایک بصیرت اور معرفت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک کامل یقین کے ساتھ وہ اس نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں کہ اللہ تعالے نے اس کائنات کو بے معنی اور لغو پیدا نہیں کیا اس میں بڑے حقایق ہیں اور یہ کائنات اللہ تعالے کی ہستی اور ان کی ہستی اور اس کی توحید پر زبردست دلیل ہے اس لئے وہ بے اختیار ہوکر کہتے ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

اے ہمارے رب تو نے اسکو باطل پیدا نہیں کیا۔ اور تیری
ذات تو ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے پس ہمکو عذاب نار سے بچا۔

یہ اقرار کہ تو نے کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا انھیں اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ کائنات کے ہر ذرہ میں خواص اور حقائق ہیں اور ہر چیز ایک مقصد خاص کے لئے پیدا کی گئی۔ اس میں علوم سماوی اور ارضی کی طرف توجہ دلائی ہے اور مومن کو متوجہ کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات میں جس قدر وہ فکر کرتا جائیگا اسی قدر اُس کے حقایق اور خواص اس پر کھلتے جائیں گے اور اس کا علم حق الیقین کے درجہ پر پہونچ جائیگا۔ مومنین کے ان ہر دو صفات کی ترتیب سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ ذکر الٰہی مومن کی قوت فکر کی بالیدگی اور قوت ایمان میں بصیرت پیدا کر دیتا ہے۔

ان دونوں باتوں کو یکجا کرنے میں یہ بھی سبق دیا ہے کہ جو قومیں صرف علوم ہی کی طرف توجہ کرتی ہیں وہ ذکر الٰہی سے غافل ہو جاتی ہیں وہ اپنے علم کو ایک نیا خدا بنا لیتے ہیں اور جو علوم کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے صرف ذکر الٰہی ہی کو اپنا شغل قرار دیتے ہیں وہ دنیوی ترقیات سے دور جا پڑتے ہیں یہ بجائے خود ایک خاص موضوع ہے مسلمانوں کو یہاں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ علوم کی طرف بھی توجہ رکھیں اور ان علوم

کو ذکر الٰہی اور معرفت الٰہی کا ذریعہ بنائیں۔ اسی لئے اس اقرار کے ساتھ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا یہ دُعا سکھائی وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ بظاہر بے ربط معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ایک اعلیٰ درجہ کی حقیقت ہے کہ علوم میں توغل اور انہماک ذکر الٰہی سے غفلت اور خدا تعالیٰ سے بعد کا باعث ہوجاتا ہے جیسا کہ آج ہم یورپ کے علماء سائنس کا حال دیکھتے ہیں اس لئے علوم کی تحقیق اور تفکر ہمیں خدا تعالیٰ کی معرفت کی طرف لے جائے کہ یہ حقایق اور خواص جو اس کائنات میں ہیں یہ خود بخود نہیں ہو سکتے۔ اس لئے عذاب النار سے بچنے کی دُعا تعلیم کی۔

دعوت ایمان پھر اس دُعا میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ مومن جب بھی دعوت الی الایمان کو سنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا منادی پکارے تو اس کو لبیک کہے ایمان لائے اور ایمان لانے کے ساتھ اپنی پچھلی غفلتوں اور کمزوریوں کے لئے دعا کرے اور خدا تعالیٰ سے گناہ سوز فطرت استغفار کے ذریعہ حاصل کرے اور اپنی موت کے لئے یہ دعا کرے کہ وہ مومنین و متقین کی موت ہو۔

چوتھی دُعا پھر آخری اور چوتھی دُعا یہ ہے کہ اللہ تو نے جو اپنے رسُولوں کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے وہ عطا فرما اور قیامت کے دن رسوا نہ فرمائیو۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آپ تو صادق الوعد ہیں۔

اس دعا میں وہ تمام کامیابیاں اور فتوحاتُ انعامات داخل ہیں جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولوں پر کئے۔ اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر مومنین کی دعاؤں سے پتہ لگتا ہے کہ اس سے مراد فانصرنا علی القوم الکافرین ہے۔

ایک قابل غور نکتہ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں مسلمانوں کو تمام کامیابی کی راہوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور ان مضرات سے بھی آگاہ کر دیا ہے جو کامیابی کی راہ میں روک ہوتی ہیں اور سورہ بقرہ میں یہودیوں کے اعمال اور آل عمران میں عیسائیوں کے متعلق تفصیلات ہیں۔ سورہ بقرہ کو بھی اسی دعا پر ختم کیا تھا۔

فانصرنا علی القوم الکافرین اور یہاں بھی دُعا پر ختم کیا ہے اور اسی مضمون طلب نصرت کو یہاں اس طرح پر ادا کیا ہے وآتنا ما وعدتنا علی رسلک۔ اور یہاں اس دُعا کی

قبولیت کا بھی یقین دلایا اور فرمایا فاستجاب لھم ربھم انکے
رب نے ان کی اس دعا کو قبول کر لیا۔

سورہ بقرہ کے آغاز میں کامیابی کے اصول بتاتے ہوئے بالآخر فرمایا تھا اولئک ھم المفلحون اور یہاں اس سورہ کو ختم کرتے ہوئے کامیابی کے چار اصول بیان کرتے ہوئے بالآخر فرمایا کہ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو یقیناً کامیاب ہو گے لعلکم تفلحون یہ اصول تمہیں اس لئے تعلیم کئے ہیں کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

یہاں فلاح کے لئے پانچ باتیں بیان کی ہیں اول یہ کہ مومن ہو۔ دوم صبر سوم مصابرہ چہارم رابطہ پنجم تقویٰ۔

دراصل تین چیزیں ہیں تقویٰ اس کا نتیجہ ہے۔ اور ایمان اس کی ابتدا ہے وہ تین چیزیں یعنے صبر۔ رابطے۔ مصابرہ۔ میں دو باتوں کی تعلیم ہے اور دونوں کو ایسے رنگ میں جمع کیا ہے جو قرآن کریم کے اسلوب بیان کا اعجاز ہے ان میں ایک تو یہ کہ نیکی پر قائم ہو جاؤ دوم بدی اور دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو۔

صبر یہ ہے کہ نیکی پر قائم ہو کر اس کے مقابلہ کی بدیوں سے

تیج کریدادمت کرے اور جو مشکلات اس راستہ میں پیدا ہوں ان سے گھبرائے نہیں اور ہمت نہ ہارے بلکہ قدم آگے بڑھائے۔

مصابرہ۔ دوسروں کو صبر کی تلقین کرنا اور اپنے عمل سے ان میں عملی صبر پیدا کر دیا جاوے۔

رابطہ یہ ہے کہ ہر وقت بدی اور دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار رہے کسی وقت بھی غافل نہو۔

اللہ تعالےٰ ہم کو ان صفات سے بہرہ ور فرماوے۔

(عرفانی کبیر)

۵۸ اولوالالباب کی پاک ورد دعا

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب (۸)

ربنا انک جامع الناس لیوم لاریب فیہ ان اللہ لا یخلف المیعاد (۹) سورہ آل عمران رکوع اولی آیۃ (۸ و ۹)

ترجمہ۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد

ٹیڑھا نہ ہونے دیجئو۔ اور اپنے حضور سے ہمیں رحمت
عطا فرمایئے بے شک آپ تو بہت ہی بڑے عطا کرنے
والے ہیں (۸)

اے ہمارے رب ضرور تو لوگوں کو اس دن کے لیئے
اکٹھا کرنے والا ہے جو یقینی ہے اور اس میں کوئی شک
نہیں بے شک اللہ وعدہ کا خلاف نہیں کرتا (۹)

تفسیری نوٹ اوپر میں نے جو اولوا الالباب کی دعا درج کی ہے اسی دعا کو یہاں دوسرے رنگ میں بیان کیا ہے۔ اور اس دعا سے پہلے قرآن کریم کی آیات محکمات و متشابہات کا ذکر کر کے راسخون فی العلم کا ذکر کیا اور اس آیۃ کو اس پر ختم کیا۔ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ پر ختم کر کے یہ دعا سکھائی۔ اس دعا کے ابتدائی حصہ میں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ بعض اوقات انسان ایک صداقت کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی بعض اوقات ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ اور یہ دعا محکمات اور متشابہات کے ذکر کے بعد سکھائی ہے اور بتایا ہے کہ محکمات کو ترک کر کے متشابہات سے جو لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں ان کے قلوب میں زیغ یعنے کجی ہوتی ہے اس لئے یہاں اس سے بچنے کی

دُعا تعلیم کی۔ اور متشابہات کی حقیقت سے واقف لوگوں کو راسخ فی العلم کہا اور دوسرا نام ان کا اولوالالباب جن کیلئے ذکر کو لازمی قرار دیا ہے۔ اور پہلے جو دعائیں نے لکھی ہے اس میں بھی یوم القیامتہ کا ذکر ہے اور یہاں بھی۔ یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی تصریح اس سے آگے کی آیتہ میں آئی ہے۔

قرآن مجید کے نظام ترتیب پر جب غور کرتا ہوں تو میرا ایمان ترقی کرتا ہے۔ میں نے اوپر بتایا ہے کہ اس سے پہلے آیات محکمات اور متشابہات کا ذکر کیا ہے اور پھر اس دعا کو سکھایا گویا یہ دُعا ٹھوکر سے بچانے کے لئے ہے۔

عباداللہ کی دُعا[۵۹]

تمہیدی نوٹ قرآن کریم پر تدبر اور فکر سے عجیب و غریب حقائق و معارف کا انکشاف ہوتا ہے

قرآن کریم عام طور پر انسان کو پہلے خطاب کرتا ہے جب اس میں ایمان پیدا ہوتا ہے یا وہ اقرار ایمان کرتا ہے تب وہ مومن کہلاتا ہے اور پھر اپنے مراتب کے لحاظ سے کبھی وہ مجاہد کہلاتا ہے، کبھی عبدالرحمٰن کہلاتا ہے اور کبھی عبداللہ اور یہ بہت اعلیٰ مقام ہے۔

اور یہ اُس وقت مومن کو ملتا ہے جب وہ اپنے اندر کیفیت محمدیہ کی تجلی کو پالیتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت پیار اور شفقت کے اظہار کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدنا کے لفظ سے پکارا جیسے فرمایا ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا وغیرہ پس اصل حقیقت کاملہ اس مقام عبداللہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پائی جاتی ہے پھر جو لوگ اس نور سے مستنیر ہو کر آپ کی تجلی کے نیچے آتے ہیں انھیں بھی اس مقام کے برکات سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کی دعا کا ذکر قرآن مجید فرماتا ہے۔

سورہ آل عمران رکوع ۲ آیتہ ۱۵ مگر اس کو سمجھنے کے لئے آیتہ نمبر ۱۴ پر غور کرو۔

اس آیتہ نمبر ۱۴ میں انسان کے فطری مالوفات و مرغوبات کا ذکر کیا ہے کہ وہ عورتوں کی اولاد اور مال و اسباب و سامان عیش و آرام کی خواہش کرتا ہے اس کے بیان کے بعد فرمایا کہ یہ متاع الدنیا ہے اس کے مقابلہ میں بتایا کہ اللہ تعالےٰ کے حضور تو بہترین ٹھکانا ہے یعنی دنیا کی مالوفات میں منہمک ہو کر انسان خدا سے دور ہو جاتا ہے اگر اس کا مقصد خدا تعالےٰ کی رضا

ہو جاوے تو یہی چیزیں بہترین طریق پر اسے مل جاتی ہیں اور یہی نہیں بلکہ رضوان اللہ بھی اور اس کے بعد فرمایا واللہ بصیوا بالعباد اور ان عباد اللہ کی تصریح اس دعا میں کیگئی ہے۔ (عرفانی کبیر)

رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے ہمارے رب ہم یقیناً ایمان لائے پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے اس کے بعد پھر اگلی آیت میں ان عباد اللہ کے مزید صفات بیان کئے ہیں (سورۃ آل عمران رکوع ۲)۔

۶۰۔ عباد الرحمٰن کی دعائیں :-

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ ۶۶ ۶۷ پ ۱۹ فرقان ع ۶

اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب ہٹا دیجئے بے شک اس کا عذاب بڑی مصیبت ہے (۶۶)
وہ (تھوڑا) ٹھیرنے کے لئے اور ہمیشہ رہنے کے لئے بری جگہ ہے (۶۷)

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ پ۱۹۔ فرقان ع ۶۔

اے ہمارے رب ہم کو اپنی بیویوں سے اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا (۵)

تفسیری نوٹ یہ دونوں دعائیں سورہ فرقان کے آخری رکوع میں عباد الرحمٰن کے صفات کے بیان میں آئی ہیں اور یورپین مصنفین نے عباد الرحمٰن کی ان صفات کے متعلق یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا ایک ثبوت ہے یہ اس قوم کا ذکر ہے جو آپ کی زندگی میں آپ کی تعلیم و تربیت سے تیار ہوئی تھی۔

عام دعائیں:۔

اب میں عام دعائیں درج کرتا ہوں ان پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ پ ۱۸ مومنون ع ۶

اے میرے رب بخشدے مجھ کو اور رحم کر اور تو ہی بہتر تمام رحم کرنیوالوں سے۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ پ ۱۸ مومنون ع ۶

اے ہمارے رب ہم ایمان لائے پس بخش دے ہمیں اور رحم کر ہم پر اور تو ہی بہتر ہے سب رحم کرنے والوں سے۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ لا وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ پ ۷ مائدہ ع ۱۱

اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو لکھ لے ماننے والوں میں اور کیوں نہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو آیا ہمارے پاس حق اور ہم امید رکھتے کہ داخل کرے گا ہمیں ہمارا رب نیک لوگوں میں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ پ ۸ اعراف ع ۲۔

اے ہمارے رب ظلم کیا ہم نے اپنی جانوں پر اور اگر نہ تو بخشے گا ہمیں اور نہ رحم کرے گا ہم پر تو ضرور ہم ناکام ہو جاویں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا
اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ط ۴۳ پ اعراف ۶ع۔

سب تعریف اللہ کی جس نے ہدایت دی ہم کو اس (اسلام) کی اور نہ تھے ہم کہ راہ پاتے اگر نہ راہ دکھاتا ہمیں خدا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۴۸ پ اعراف ۶ع

اے ہمارے رب نہ بنا ہمیں ظالموں کی قوم کے ساتھ۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ۲۵ پ بنی اسرائیل ۳ع

اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسے پالا تھا مجھے بچپن میں۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۱۵ پ ۲۶ احقاف ۲ع ۲۶۔

اے میرے رب توفیق دے مجھ کو کہ میں شکر کروں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر کی اور میرے والدین پر اور یہ کہ نیک ایسے کام کروں جو نیک ہوں کہ تو پسند کرے جس کو اور اصلاح فرما میرے لیے میری اولاد کو بیشک میں جھکتا ہوں تیری طرف اور یقیناً میں فرمانبرداروں سے ہوں۔

ادارہ حقائق و معارف قرآنیہ

اے بے خبر بخدمت قرآں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

قرآن کریم کے حقائق و معارف کی اشاعت کا ایک جوش اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے فضل سے دیا ہے اور اس سلسلہ میں قرآن کریم کے قریباً ۱۲ پاروں کا ترجمہ اور تفسیر شایع کر چکا ہوں اور بعض مخصوص مضامین پر تین مستقل رسالے (۱) الاسماء الحسنیٰ (۲) مقطعات قرآنی کی فلاسفی (۳) اسماء القرآن فی القرآن شایع کر چکا ہوں اس سلسلہ میں یہ چوتھا رسالہ قرآنی دعاؤں کے اسرار پر شایع کرنیکی توفیق پاتا ہوں الحمد للہ

میں صرف ان بزرگوں اور عزیزوں سے خطاب کر رہا ہوں جو قرآن مجید کے ساتھ عشق اور اسکے حقائق و معارف کی اشاعت کیلئے جوش رکھتے ہیں اور اس خدمت کو اپنے لئے ذریعہ سعادت سرمایہ نجات یقین کرتے ہیں کہ وہ اس خصوص میں میرے ساتھ تعاون کریں اور اسکی یہ صورت ہے کہ اولاً اس سلسلہ کی ہر کتاب کی اشاعت پر کم از کم دو کاپیاں خرید کر لیں۔ ثانیاً دوسروں میں اس کی اشاعت کے لئے تحریک کریں۔ ثالثاً جن بزرگوں کو اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے نوازا ہے اور انہیں مالی یا بے

وہ متعدد کاپیاں خرید کر غیر مسلموں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں اور پبلک لائبریریوں میں تقسیم کریں یہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔ میں صرف پچاس ایسے دوستوں کو پکارتا ہوں جو ہر رسالہ کی صرف دس دس کاپیاں خرید لیا کریں۔ اس طرح پر یہ کام اللہ تعالیٰ چاہے تو متواتر جاری رہ سکتا ہے میں اپنے دل میں ایک نیک مقصد کو لئے ہوئے ہوں اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے اس کے لئے سعی کرتا رہوں گا۔

وباللہ التوفیق وھو نعم المولی ونعم الرفیق

بشارت

جو کتاب اب زیر تالیف ہے انشاء اللہ وہ اپنے مضمون اور اسلوب بیان کے لحاظ سے ایک بصیرت افروز تالیف ہوگی۔ میں اس کی تفاصیل ابھی بیان کرنے کے قابل نہیں ہوں لیکن جونہی پریس میں جانی شروع ہوئی انشاء اللہ اعلان کردونگا۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتا ہوں۔

خاکسار عرفانی الکبیر

اطلاع:۔ جو دوست پہلے سے اس سلسلہ یا میری تالیفات کے خریدار ہیں انکی خدمت میں ہر طبع شدہ کتاب بذریعہ وی۔ پی بھیجدی جاتی ہے

الہ دین بلڈنگ سکندرآباد (دکن) عرفانی